مارچ ۱۹۹۸ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

یر مسئول

اکٹر اسرار احمد

☆ تزکیہ و تربیت محمدیؐ کے عناصر سہ گانہ

بسلسلہ منہج انقلاب نبوی ــــ از : ڈاکٹر اسرار احمد

☆ غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار

علامہ محمد صالح المنجد

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ

خط و کتابت کورس :

قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی

سے استفادہ کیجئے!

——— نیز ———

اللہ کے پر تاثیر کلام سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہونے کی خاطر
عربی زبان سیکھنے کے لئے، اس کے ابتدائی قدم کے طور پر

عربی گرائمر خط و کتابت کورس

میں داخلہ لیجئے!

مزید برآں ترجمہ قرآن حکیم کورس میں بھی داخلے جاری ہیں

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس کے حصول کے لئے رابطہ کیجئے :

شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی، 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون : 5869501

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد کرو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد : ۴۷
شمارہ : ۳
ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ
مارچ ۱۹۹۸ء
فی شمارہ -/۱۰
سالانہ زر تعاون -/۱۰۰

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، عرب امارات، بھارت، بنگلہ دیش، افریقہ، ایشیا، یورپ، جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔فون : 03-02-5869501
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون : 6305110
پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع : رشید احمد چودھری، مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ **عرض احوال** ۳

ڈاکٹر اسرار احمد بنام مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم

حافظ عاکف سعید

☆ **منهج انقلاب نبوی ﷺ** (۴) ۸

تزکیہ و تربیت محمدیؐ کے عناصر سہ گانہ

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ **غلطیوں کی اصلاح کا نبویؐ طریق کار** ۱۹

علامہ محمد صالح المنجد

☆ **دعوت و تحریک** ۳۳

تنظیم اسلامی ہی کیوں؟

عمران نذر حسین

فکر عجم (۸) ۴۷

اسلام کے بعد کا دور

ڈاکٹر ابو معاذ

☆ **طلاق** ۶۳

اسباب و تدارک

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

☆ **حسن انتخاب** ۷۳

خیرامت کا وصف اور فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

مولانا شہاب الدین ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض احوال

ڈاکٹر اسرار احمد بنام مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم

مولانا اصلاحی کی زندگی کے آخری سالوں میں ڈاکٹر صاحب کے تحریر کردہ دو خطوط جن کے ذریعہ مولانا مرحوم کے بارے میں امیر تنظیم کے حقیقی احساسات کی ترجمانی ہوتی ہے

صاحب تدبر قرآن اور بانی "میثاق" مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم و مغفور کی رحلت پر ہماری جانب سے تعزیتی شذرہ جنوری کے "میثاق" میں شائع ہوا تھا۔ بعد ازاں فروری کے شمارے میں "میثاق" کے عنوان سے مولانا مرحوم کا فکر انگیز مضمون' قدر مکرر کے طور پر ہدیہ قارئین کیا گیا جس میں مولانا نے اس جریدے کے وجوہ تسمیہ پر روشنی ڈالی تھی اور لفظ میثاق کی معنویت قرآن مجید کی آیات کے حوالے سے اجاگر کی تھی ——— امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ایک تحریر کے حوالے سے مولانا مرحوم کے ساتھ ان کے نیاز مندانہ مراسم کا ذکر بھی اختصار کے ساتھ اس تعزیتی شذرے میں شامل تھا۔ مولانا مرحوم کو امیر تنظیم نے ہمیشہ اپنا ایک محسن اور بزرگ سمجھا اور اس اعتراف میں کبھی باک محسوس نہیں کیا کہ جن چار سلاسل سے ان کا فکر قرآنی تشکیل پایا ہے ان میں ایک سلسلہ جو نظم قرآن کے حوالے سے ہے' مولانا اصلاحی اور مولانا فراہیؒ کے پیش کردہ افکار پر مبنی ہے۔ مولانا اصلاحی مرحوم کے دروس قرآن میں شرکت اور باہم تبادلہ خیال کے ذریعے ان سے براہ راست علمی استفادے کا موقع بھی امیر محترم کو ایک طویل عرصہ تک حاصل رہا۔ تاہم ان کی بعض تفسیری آراء بالخصوص رجم کے معاملے میں ان کی رائے سے امیر تنظیم کو اختلاف رہا۔ امیر تنظیم نے مولانا مرحوم نے جو علمی فیض پایا اس کا اعتراف بھی ہر موقع پر برملا کیا اور مولانا کی جس رائے سے انہیں اختلاف ہوا اس کا اظہار بھی اپنی تحریر و تقریر میں وضاحت سے کیا ——— ۱۹۷۲ء کے بعد سے امیر محترم اور مولانا مرحوم کے مابین وہ گرم جوشی کا تعلق بوجوہ قائم نہ رہ سکا اور باہمی فاصلہ بتدریج بڑھنے لگا۔ "وصل و فصل" کی یہ داستان قدرے تفصیلی انداز میں امیر تنظیم کی تالیف "دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر" میں شامل ہے۔

مولانا مرحوم کی علالت کے آخری سالوں میں امیر تنظیم ان کی عیادت کے لئے گاہے بگاہے ان کی خدمت میں باہتمام حاضر ہوتے رہے۔ مولانا مرحوم کی پیرانہ سالی' ضعف اور ثقل سماعت کے باعث ان سے گفتگو کے ذریعے تبادلہ خیال کرنا تو اب چونکہ ممکن نہیں رہا تھا' لہٰذا امیر محترم نے

بعض مواقع پر اپنے جذبات و احساسات ان تک پہنچانے کے لئے تحریر اور خط کا سہارا لیا۔ اواخر ۱۹۹۵ء میں امیر تنظیم نے مولانا مرحوم کو جو دو مراسلے ارسال کئے ان کے ذریعے چونکہ نہ صرف یہ کہ مولانا کے بارے میں امیر تنظیم کے حقیقی جذبات و احساسات کی عکاسی ہوتی ہے بلکہ حد رجم کے ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کی ' کہ جس کی رو سے رجم کے حکم پر مشتمل آیت پہلے قرآن میں شامل تھی اور بعد میں منسوخ التلاوۃ ہو گئی' ایک عمدہ تاویل سامنے آتی ہے' لہٰذا قارئین کے افادہ کے لئے ان دو خطوط کو ذیل میں شائع کیا جا رہا ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

بخدمت گرامی مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ'

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

تقریباً ایک ماہ قبل آپ سے کئی سال بعد شرف ملاقات حاصل ہوا۔ آپ نے جس خوشدلی اور خندہ پیشانی سے میرا استقبال کیا اس کا دل پر بہت اثر ہوا۔ مزید برآں اس پیرانہ سالی میں' جسمانی نقاہت اور سماعت و بصارت میں قدرے کمی کے باوصف' آپ کی ذہنی و فکری استعداد کے حیرت انگیز حد تک برقرار رہنے سے بہت خوشی بھی ہوئی۔

ع "کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ" کے مصداق آپ کے طرز عمل سے ہمت پا کر چند باتیں عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ میں یہ عریضہ فوراً ہی تحریر کر دیتا لیکن بعض حوادث کی بنا پر تاخیر ہو گئی۔ یعنی اولاً تو آپ کے یہاں سے واپسی پر میری گاڑی حادثے کا شکار ہو گئی تھی جس میں گاڑی کو تو بہت نقصان پہنچا۔ البتہ الحمدللہ جسم اور جانیں محفوظ رہیں۔ سوائے اس کے کہ میرے بائیں شانے میں کھنچاؤ پیدا ہو گیا جو پہلے تو بہت شدید رہا اب تدریجاً کم ہو رہا ہے۔ ثانیاً اس کے بعد میں ٹائیفائیڈ بخار میں مبتلا ہو گیا۔ جس سے اب بھی پوری طرح چھٹکارا حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ تاہم چونکہ ۲۸/ اگست کو مجھے امریکہ روانہ ہو جانا ہے لہٰذا میں' جیسے بھی بن آ رہا ہے' یہ عریضہ تحریر کر رہا ہوں۔

اپنی گزارشات سے قبل ایک بات کا تذکرہ اس لئے کر رہا ہوں کہ مبادا آپ بھول گئے ہوں۔ چند سال قبل ایک طویل تعطل کے بعد جب میری آپ کے یہاں حاضری کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تھا تو میں کچھ عرصے تک مسلسل ہر ماہ حاضری دیتا رہا تھا۔ تا آنکہ خود آپ کی جانب سے اس پر اظہار ناپسندیدگی ہوا۔ اس سے کئی سال قبل بھی جب آپ ابھی خانقاہ ڈوگراں ہی میں مقیم تھے میں نے محسوس کیا تھا کہ کچھ میرے اور آپ کے مابین واقعی نظریاتی اختلاف اور کچھ بعض حاسدوں اور شرپسندوں کے "شر" کے باعث آپ کے مزاج میں میری جانب کسی قدر خشونت پیدا ہو گئی ہے تو خانقاہ ڈوگراں ہی کی ایک ملاقات میں' میں نے عرض کیا تھا کہ "مولانا! آپ کا اختلاف اپنی جگہ' برحی بھی بجا' لیکن آپ میرے لئے اپنے دروازے بند نہ کریں!" جس پر آپ نے نہایت گہرے تاثر کے ساتھ فرمایا تھا کہ "اس کا ہرگز کوئی امکان نہیں ہے' آپ کے لئے میرے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔"

میری گزارشات میں سے اولین اور اہم ترین یہ ہے کہ آپ خدارا "حد زنا" کے بارے میں اپنی رائے پر نظر ثانی فرمائیں۔ میں اس مسئلے پر کسی فنی بحث کا ہرگز اہل نہیں' اور خاص طور پر آپ کے سامنے زبان کھولنے کی تو کبھی جرأت ہی نہیں کر سکتا لیکن میری درخواست صرف یہ ہے کہ امت کے چودہ سو سالہ "اجماع" کے مقابلے میں اپنی ذاتی رائے اور رجحان کو قربان کر دیں۔ اگر آپ ایسا کریں تو میں ان شاء اللہ آپ کی بعض دوسری آراء سے اختلاف کے علی الرغم تازیست (اگرچہ اب میں خود اپنے آپ کو بھی عالم دنیا کے مقابلے میں عالم آخرت کے قریب تر محسوس کرتا ہوں) آپ کا بندۂ بے دام بنے رہنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ میں اس وقت بلا تشبیہ آنحضورؐ کے ان الفاظ کا حوالہ دینے کی بھی جسارت کر رہا ہوں جو آپؐ نے اپنے چچا ابو طالب سے عند الوفات کہے تھے!

اس ضمن میں نہایت ادب کے ساتھ مزید یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ رجم سے متعلق حضرت عمرؓ کی روایت کی یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ اس میں "قرآن" سے مراد "تورات" ہے' اس لئے کہ اس کی جانب اشارہ سورۂ سبا کی آیت ۳۱ کے الفاظ مبارکہ "لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ

(الایہ)" میں بھی موجود ہے' اور اس کی تائید اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ ایک دوسری روایت کی رو سے حضرت عمرؓ نے آنحضورؐ کے سامنے تورات کی کسی عبارت کو دلیل کے طور پر پیش کیا تھا جس پر آنحضورؐ ناراض ہوئے تھے ـــــ ثالثاً اس سے اس امر کی بھی توجیہ ہو جاتی ہے کہ حدیث عمرؓ میں وارد الفاظ عربیت کے لحاظ سے نہایت بھونڈے ہیں۔ اس لئے کہ یہ اصلاً تورات کا ترجمہ تھے جو کسی نااہل شخص نے کیا تھا۔ واللہ اعلم!

میری اِس گزارش کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اگرچہ آخرت کے معاملے کا تو پورا دار و مدار "نیتوں" پر ہے' لیکن دنیا میں آپ کا یہ "شذوذ" لوگوں اور فراہیؒ مکتب فکر اور بالخصوص آپ کے طریق تدبر قرآن کے مابین حجاب بن گیا ہے۔ واللہ اعلم!

دوسری گزارش میری یہ ہے کہ آپ جس طرح بھی بن آئے اپنی شاہکار تالیف "دعوت دین اور اِس کا طریق کار" کو لفظاً لفظاً نظر سے گزار جایئے یا پڑھوا کر سن لیجئے اور جہاں کہیں بھی نصف صدی سے زائد عرصے کے دوران اپنے ذہنی و فکری ارتقاء یا رائے کی تبدیلی کے باعث کسی ترمیم کی ضرورت محسوس کریں صرف اس کو قلمبند کر دیں یا املا کرا دیں۔ آپ کو تو شاید یاد نہ ہو اب سے لگ بھگ پچیس سال قبل حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے مجھ سے فرمایا تھا کہ مولانا اصلاحی اپنی اس کتاب کے بہت سے مباحث سے "رجوع" کر چکے ہیں۔ لیکن جب میں نے آپ سے استفسار کیا تو آپ نے فرمایا تھا: "معاذاللہ! میں نے یہ کتاب قرآن حکیم کی محکمات کی اَساس پر لکھی ہے' اِس کی کسی بات سے میں کیسے رجوع کر سکتا ہوں!" ـــــ آج کل پھر کئی سال سے جاوید احمد غامدی صاحب اپنے حلقے میں اس رائے کا اظہار کر رہے ہیں کہ آپ کے بعض مباحث و آراء سے انہیں اختلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی تالیف ہی کی اَساس پر اپنی کتاب تصنیف فرمائی ہے جس میں اکثر و بیشتر حوالے تو آپ ہی کے ہیں۔ میرا گمان تو یہ تھا کہ انہوں نے یہ احتیاط کی ہے کہ آپ کی جن باتوں سے انہیں اختلاف ہے اِنہیں انہوں نے حذف کر دیا ہے اور اس طرح گویا صرف صرف نظر اور غض بصر پر اِکتفاء کی ہے لیکن بعض احباب جنہوں نے کتاب کا بالاستیعاب

مطالعہ کیا ہے یہ رائے رکھتے ہیں کہ اولاً انہوں نے آپ کے بعض خیالات کی آپ کے ذکر کے بغیر واضح نفی کی ہے اور ثانیاً کتاب کی اٹھان ایسی رکھی ہے کہ عام قاری جس نے آپ کی تالیف کا دقت نظر سے مطالعہ نہ کیا ہو ان کے ان نظریات کو آپ کی جانب سے منسوب کر سکتا ہے۔ واللہ اعلم! بہر حال آپ کے زندگی کے اِس آخری دور کے نظریات کے ضمن میں آپ کی یہ تھوڑی سی کاوش ان شاء اللہ بعد کے لوگوں کے لئے بہت بڑی رہنمائی اور عظیم صدقہ جاریہ کی صورت اختیار کرلے گی۔ بصورت دیگر آپ کا فکر لوگوں کے لئے چیستاں بن جائے گا۔

اِس ضمن میں ایک اِعتراف و اطلاع بھی! میں نے کچھ عرصہ قبل اپنے کتابچے "راہ نجات : سورۃ العصر کی روشنی میں" کے نئے اور مجلد ایڈیشن کے آغاز میں ایک مقدمہ تحریر کیا تھا جس میں خاصی درشتی کے انداز میں خود آپ پر بھی یہی گرفت کی ہے کہ آپ نے "تدبر قرآن" میں سورۃ العصر کی تفسیر کے ضمن میں اکثر و بیشتر تو مولانا فراہیؒ ہی کے اقتباسات دیئے ہیں لیکن غالباً بعض وقتی اثرات کے تحت ان کی ایک مستقل فصل "تواصی سے قیام خلافت کا وجوب" سے صرف نظر کرلیا ہے! حالانکہ "دعوت دین اور اِس کا طریق کار" کے اہم ترین باب "تبلیغ کس لئے" کی پوری بحث کا نقطہ عروج ہی نظام خلافت کے قیام کا وجوب ہے! میں اپنی وہ کتاب بھی اس عریضے کے ساتھ ارسال کررہا ہوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ آپ اپنی روایتی فراخدلی سے کام لیتے ہوئے میری اس گستاخی پر بھی عفو و درگزر سے کام لیں گے۔ ﴿وَاِنۡ تَعۡفُوۡا وَ تَصۡفَحُوۡا وَ تَغۡفِرُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴾ (التغابن : ۱۴)

جیسا کہ عرض کرچکا ہوں ۲۸ / اگست کو بیرون ملک روانہ ہو رہا ہوں۔ پروگرام تو وسط اکتوبر میں واپس آنے کا ہے لیکن مستقبل کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔ کیا پتہ یہ "نصف ملاقات" بھی آخری ہو۔ اگر واپس آگیا تو ان شاء اللہ پہلی فرصت میں حاضر خدمت ہوں گا' الا یہ کہ آپ ہی کی جانب سے دوبارہ NO ADMISSION کا حکم صادر ہو جائے۔ (بلکہ میں تو ان دنوں بھی علالت کے باوصف حاضر ہونا چاہتا تھا لیکن ہمارے "ندائے خلافت" کے نو آموز کارکنوں نے میری آپ سے ملاقات کی خبر شائع کردی —— اور ستم بالائے ستم

(باقی صفحہ ۷۹ پر)

سلسلہ تقاریر ——— منہجِ انقلابِ نبویؐ ——— خطابِ دوم (۲)

تزکیہ و تربیتِ محمدیؐ کے عناصرِ سہ گانہ

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

(مرتّب : شیخ جمیل الرحمٰن)

تزکیہ و تربیت کے لئے جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے جو نظام اختیار فرمایا اِس کے تین عناصر ہیں' جن کو جان لینے پر ہی اِس تربیت کے نظام کے سمجھ لینے کا دار و مدار ہے' البتہ یہ بات پیش نظر رہے کہ زیر بحث انقلابی تربیت ہے' خانقاہی تربیت نہیں۔ خانقاہی تربیت کے اپنے اہداف و مقاصد ہیں' لیکن اگر اسلامی انقلاب برپا کرنا ہے تو آج کے دور میں وہ خانقاہی تربیت نہیں بلکہ مجاہدانہ تربیت درکار ہے۔ چنانچہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے اختیار کردہ نظام تزکیہ و تربیت میں مندرجہ ذیل تین عناصر کو بنیادی اہمیت حاصل تھی۔

انقلابی نظریات کا استحضار اور انقلابی جذبہ کی آبیاری
بذریعہ تلاوتِ قرآن

اِس مجاہدانہ تربیت کے لئے سب سے پہلی لازم چیز یہ ہے کہ جو شخص بھی اس میدان میں آئے اس کا اپنے اِس انقلابی نظریہ کے ساتھ شعوری تعلق پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا جائے۔ اگر کہیں اپنے انقلابی نظریہ کے ساتھ ذہنی تعلق کمزور ہو جائے گا تو وہ شخص مضمحل ہو جائے گا اور پھر وہ انقلابی کام نہیں کر سکے گا۔ یہ ہے وہ مقصد جس کے حصول کے لئے قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں سب سے زیادہ زور قرآن حکیم کی تلاوت پر دیا گیا ہے۔ نہایت نامساعد ماحول اور شدید ترین مخالفت کے دنوں میں نبی اکرم ﷺ کو یہی حکم دیا جا رہا ہے : "اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ" (العنکبوت : ۴۵) "(اے محمد

ﷺ) تلاوت کرتے رہا کرو اس کتاب کی جو اللہ نے آپؐ پر نازل کی ہے" ـــــ غور کیجئے کہ یہ حکم صرف حضورؐ کو نہیں ہے بلکہ آپؐ کی وساطت سے تمام اہل ایمان کو دیا جا رہا ہے کہ اگر اس انقلاب کے لئے تمہیں اپنے آپ کو تیار کرنا ہے تو تمہارا شعوری اور ذہنی و قلبی تعلق اس نظریہ کے ساتھ مضبوط ہونا چاہئے۔ اگر وہ کمزور پڑ جائے گا تو اس جدوجہد کے لئے جو جذبہ درکار ہے وہ بھی مضمحل ہو جائے گا ـــــ آگے فرمایا : وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ' اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ "اور نماز کو قائم رکھو' بلاشبہ نماز فحش اور برے کاموں سے روکنے والی چیز ہے"۔

یہاں دو چیزیں جمع کر لیں۔ یعنی قرآن اور نماز۔ اس لئے کہ نماز کا جزوِ اعظم بھی قرآن ہے۔ قرآن کا لبِّ لباب سورۂ فاتحہ ہے' اس کی تلاوت نماز کی ہر رکعت میں لازمی ہے۔ اس کے ذریعے سے توحید کے ساتھ ہمارے ذہنی رشتہ کی استواری اور ہمارے عہد کی تجدید ہوتی ہے۔ چنانچہ جب ہم پڑھتے ہیں : ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ○﴾ تو ہم توحیدِ نظری یا توحید فی العقیدہ کا اعادہ کرتے ہیں اور جب ہم کہتے ہیں : ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ○﴾ تو ہم توحیدِ عملی یعنی اللہ کی عبادت و استعانت کا اقرار کرتے ہیں ـــــ اسی طرح سورۂ کہف اُس زمانے میں نازل ہوئی جبکہ مکہ میں قریش کی طرف سے حضور ﷺ کے قتل کا فیصلہ کیا جا چکا تھا۔ یہ مکی دور کا آخری حصہ ہے۔ اس میں حضورؐ کو کیا حکم دیا جا رہا ہے! ﴿وَاتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتٰبِ رَبِّکَ' لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ' وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا ○﴾ "(اے نبی ﷺ) تلاوت کیا کرو اس کتاب کی جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف وحی کی گئی ہے۔ اس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ اور تم اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہ پاؤ گے"۔ یاد رہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تمام اہل ایمان بھی اس حکم کے مخاطب ہیں کہ اِس کتاب کی تلاوت کرو اور اس کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط بناؤ۔ اِس کتاب کے ساتھ جس کا تعلق جتنا مضبوط ہو گا اتنا ہی انقلابی نظریہ کے ساتھ اس کا شعوری اور قلبی تعلق مضبوط ہوتا چلا جائے گا۔

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ دوسرے انقلابات کے نظریئے انسانی ذہنوں کی پیداوار ہیں جبکہ اسلامی انقلاب کا نظریہ وحی کے ذریعے سے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمایا گیا ہے۔

لہٰذا زیادہ سے زیادہ قرآن سے تعلق، زیادہ سے زیادہ قرآن کی تلاوت، نماز میں زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھنا ضروری ٹھہرایا گیا۔ خصوصاً تہجد کے وقت اس کا التزام ہو اور "اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا" کے مصداق نماز فجر میں قرآن مجید کی طویل قراءت ہو۔ اسی لئے اس کو "قُرآنَ الفجر" کا نام دیا گیا۔ باقی نمازوں میں اتنی طویل قراءت نہیں ہوتی، لیکن فجر کی نماز میں طویل قراءت مطلوب ہے۔ فرمایا گیا کہ جان لو قرآن پڑھنا فجر کا مشہود ہے۔ یعنی اس کی گواہی دی جاتی ہے۔ اس موقع پر فرشتے سب سے زیادہ تعداد میں موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ رات کے فرشتے بھی، جن کی ڈیوٹی ختم ہو رہی ہوتی ہے اور دن کے فرشتے بھی، جو آکر چارج لیتے ہیں، فجر کی نماز کے وقت دونوں جمع ہوتے ہیں۔

درحقیقت تربیت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نظام کی سب سے اہم اور اولین شق قرآن کو زیادہ سے زیادہ ٹھونک ٹھونک کر اپنے ذہن و قلب میں اتارنا ہے۔ ذہن کی گتھیوں کو سلجھانے، آئینہ قلب کو صیقل کرنے، ایک بندۂ مومن کے باطن کے نور کو اجاگر کرنے اور اس میں ایک تازہ ولولہ اور جوش عمل پیدا کرنے کیلئے قرآن حکیم سے زیادہ موثر شے اور کوئی نہیں ہے۔ یہ کتابِ مبین ہے، جو "تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ" بن کر نازل ہوئی ہے۔ یعنی "سیدھی راہ دکھانے والی اور یاد دہانی ہر اس بندے کیلئے جو اللہ کی طرف رجوع کرے۔" اسی بات کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے کہ ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یعنی یہ قرآن اگر کسی کے ذہن میں اتر جائے گا اور اس کے دل میں رچ بس جائے گا تو اس کے باطن میں ایک انقلاب برپا ہو جائے گا اور اس کی شخصیت بدل جائے گی۔ اور جب اندر انقلاب آئے گا تو یہ بالآخر ایک عالمی انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ پھر علامہ نے یہ بھی کہا کہ اپنے نفس کے تزکیہ کیلئے بھی اس قرآن سے زیادہ موثر شے اور کوئی نہیں ؎

کشتن ابلیس کارے مشکل است زانکہ او گم اندر اعماق دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی کشتۂ شمشیر قرآنش کنی —— !!

یعنی ابلیس کو قتل کر دینا آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ تو انسان کے دل پر جا کر گھات

لگاتا ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا : "اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ" (یقیناً شیطان انسان کے جسم میں خون کی مانند دوڑتا ہے) پس جو زہر پورے جسم میں سرایت کر گیا ہو' اس کے لئے تریاق بھی وہ درکار ہے جو پورے وجود میں سرایت کر جائے اور وہ تریاق صرف قرآن ہے۔ اس کو اپنے باطن میں اتارو۔ اس کو اتارنے کا عمل یہ ہے کہ اسے بار بار پڑھو' اسے Hammer کرو' اسے ٹھونک ٹھونک کر اپنے اندر اتارو۔ یہ نہیں کہ ایک بار پڑھا اور سمجھ لیا' بلکہ اس کو پڑھتے رہو۔ اِس طریقہ سے یہ قرآن رفتہ رفتہ انسان کے وجود میں سرایت کرتا ہے۔

تلاوتِ قرآن کے انقلابی نظریہ اور تربیت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ منطقی ربط و تعلق سے واضح ہوا کہ انقلابی کارکن کے لئے اہم ترین بات یہ ہے کہ اس کا ذہنی و قلبی تعلق اپنے انقلابی نظریہ کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے۔ یہ تعلق کمزور رہے گا تو انقلاب کے لئے قربانی کا مطلوبہ جذبہ بھی مضمحل رہے گا۔ اور قرآن چونکہ انقلاب محمدی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کا نظریہ ہے' لہٰذا تربیت محمدیؐ کی پہلی شق یہی ہے کہ اِس قرآن کو مسلسل اور پیہم محنت کر کے انسانوں کے اندر اتارا جائے۔

مخالفت و مجاہدۂ نفس بذریعہ عبادات
بالخصوص قیام اللیل و تہجد

اسلامی انقلابی تربیت کا دوسرا عنصر نفس کی مخالفت ہے۔ یہ نفس جسے ہم IDD یا LIBIDO بھی کہہ سکتے ہیں' جس کے لئے قرآن کی اصطلاح "نفس امارہ" ہے' یہی راستہ کی رکاوٹ بنتا ہے۔ دنیا کی محبت' مال کی محبت اور دیگر خواہشات نفس آدمی کا راستہ روکتی ہیں' بقول جگر ؎

تیتی راہیں مجھ کو پکاریں
دامن پکڑے چھاؤں گھنیری

انسان کو عافیت اور عیش و آرام درکار ہے' وہ دولت چاہتا ہے' شہرت چاہتا ہے۔ اور یہ حُبِّ مال' حُبِّ جاہ' حُبِّ دنیا' علائق دنیوی اور ساز و سامان دنیا کی محبت ہی تو بندۂ مومن کے راستے کی اصل رکاوٹ ہے۔ ان کو جمع کرلیں تو یہ ہے نفس ـــــ اِس نفس کی مخالفت دوسری شق ہے تربیت محمدیؐ کی ـــــ اس کے لئے ہمارے دین میں عبادات کا نظام رکھا گیا ہے' جنہیں اب ہم نے رسوم (Rituals) بنالیا ہے۔ بالفاظ علامہ اقبال ؎

رہ گئی رسمِ اذاں ' روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا ' تلقینِ غزالیؒ نہ رہی

اب وہ صرف مراسم عبودیت بن کر رہ گئے۔ یہ تو درحقیقت ہمارے انحطاط کا نتیجہ ہے۔ اِس بات کی ضرورت ہے کہ سمجھا جائے کہ تربیت محمدیؐ میں عبادات کی اصل غایت اور حقیقی مقام کیا ہے! نماز کی ایک غایت ابھی بیان ہو چکی : وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا : "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ" "نماز قائم کرو میری یاد کے لئے"۔ انسان اپنی دنیوی مصروفیات کے دوران دن میں پانچ مرتبہ نکلے تاکہ وقفہ وقفہ سے اسے یاددہانی حاصل ہو کہ وہ کسی کا بندہ اور غلام ہے' وہ مختار کل نہیں ہے' اسے اپنے روزمرہ کے معمولات بھی اسی اللہ کے احکام کے مطابق انجام دینے ہیں جس کے ذکر یعنی یاددہانی کے لئے وہ دن میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرتا ہے۔

روزہ رکھنے کی بھی ایک غایت ہے تاکہ نفس کے اندر جو بھوک کا تقاضا ہے' زبان جو چٹخارے مانگتی ہے' شہوت کا جو تقاضا ہے' ان کا روزہ کے ذریعہ سے مقابلہ کرو۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ ڈھال ہے : اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ۔ نفس کے حملوں سے روکنے والی چیز تمہارے پاس روزہ کی ڈھال ہے' جو اللہ نے تمہارے لئے فرض عبادت کے طور پر رکھی ہے۔ سال میں ایک مہینہ یعنی رمضان میں تو لازماً روزہ رکھو' اور اسے تمام مسلمان رکھیں' ایک اجتماعی ماحول بن جائے۔ لیکن صرف اس پر اکتفانہ کرو' بلکہ نفلی روزے بھی رکھو' ہر مہینہ میں تین دن رکھنے کا اہتمام کرو' اور اس روزے کے ذریعہ سے اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرو۔ تربیت محمدیؐ کی یہ دوسری شق ہے۔ نماز اور روزہ دنیا کے Mode of Worship کے عمومی تصور سے بالکل علیحدہ ہیں۔ یہ یقیناً بندگی اور اللہ

کے سامنے عاجزی و تذلل کا ایک اظہار بھی ہے' لیکن یہ چیزیں تربیت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے وہ بنیادی امور ہیں جن کے ذریعہ سے تربیت دی جانی مقصود ہے۔ انہی کے ذریعے سے انسان کی قوت ارادی کو تقویت حاصل ہو گی اور اس میں صلاحیت پیدا ہو گی کہ وہ نفس کے زور آور تقاضوں کا مقابلہ کر سکے۔

اسی طرح زکوٰۃ کی فرض عبادت ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ کے ساتھ ہی ایتاءِ زکوٰۃ کا حکم ہے۔ یعنی زکوٰۃ ادا کرو' اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ انسان کے دل میں سب سے بڑی جو نجاست پیوست ہو جاتی ہے وہ مال کی محبت ہے۔ یہ گویا بریک ہے۔ جب تک گاڑی کا Brake نہیں کھلے گا آپ کتنا ہی ایکسی لیٹر دبائیں انجن پھڑ پھڑا کر بند ہو جائے گا۔ مال کی محبت کا بریک لگا ہوا ہے تو جس صحیح رخ پر ایک مسلمان اور ایک مجاہد کا کردار پروان چڑھنا چاہئے' وہ کبھی پروان نہیں چڑھ سکتا۔ لہٰذا اسے دل سے کھرچ کھرچ کر نکالنا ہو گا۔ اس کے لئے زکوٰۃ جیسے صدقاتِ واجبہ ہیں' پھر صدقاتِ نافلہ ہیں۔ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں ان صورتوں میں خرچ کرو۔ واضح رہے کہ لفظ زکوٰۃ تزکیہ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پاک کرنا' صاف کر دینا۔ گویا بریک کھول دینا' رکاوٹ کو دور کر دینا۔ تزکیہ کا اصل مفہوم یہ ہے کہ ایک مالی جب اپنے باغ میں دیکھتا ہے کہ اس نے پھل یا پھول والے جو پودے لگائے ہیں' ان کے ساتھ کچھ خودرو گھاس اور جھاڑ جھنکاڑ بھی اگ آیا ہے اور اب یہ جھاڑ اور خودرو گھاس بھی زمین سے غذا لے رہی ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو وہ پوری غذا ان پودوں کو ملے۔ ہوا میں جو قوت نمو ہے یہ خودرو چیزیں اس کو بھی جذب کر رہی ہیں۔ یہ نہ ہوں تو یہ پوری قوت ان پودوں کو ملے گی جن کو وہ چاہتا ہے کہ پروان چڑھیں ـــــ چنانچہ وہ مالی کھرپا ہاتھ میں لیتا ہے اور ان تمام خودرو چیزوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اس عمل کا نام عربی میں تزکیہ ہے۔ انسان کی شخصیت میں جو اوصاف پروان چڑھنے چاہئیں' ان کی نشوونما اور ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ مال کی محبت اور دنیا کی محبت ہے۔ یہ نجاست ہے جو یہ دل سے نکلے گی تو جو صلاحیتیں بالقوہ انسان کے باطن میں موجود ہیں وہ پروان چڑھیں گی۔ تو یہ ہے حقیقت میں تزکیہ کا عمل۔ اور زکوٰۃ کا لفظ تزکیہ سے ماخوذ ہے۔ زکوٰۃ کا اصل مقصد قرآن کے ان الفاظ سے واضح ہے : "اَلَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی" "وہ جو اپنا

مال دیتا ہے حصول تزکیہ کے لئے"۔ سورۃ التوبہ میں نبی اکرم ﷺ سے فرمایا جاتا ہے : "خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا" "(اے نبیؐ) ان مسلمانوں کے مالوں میں سے صدقات (زکوٰۃ) لیجئے تاکہ اس طرح آپؐ ان کو پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں"۔

نفس کی مخالفت کا جو تیسرا پروگرام اقدمیت واولیت رکھتا ہے اور جو تربیت محمدیؐ کا اہم ترین نکتہ ہے' وہ ہے رات کو جاگنا۔ نیند بھی انسان کے نفس کا بہت بڑا تقاضا ہے۔ جہاں پیٹ کا بھرنا نفس کا تقاضا ہے' زبان کا چٹخارا نفس کا تقاضا ہے' شہوت کا جذبہ نفس کا تقاضا ہے' وہاں نیند' آرام' استراحت بھی نفس کا ایک زوردار تقاضا ہے ـــــ لہٰذا نفس کی مخالفت میں سب سے زیادہ انسان کی قوت ارادی کو مضبوط کرنے والی شے یہی ہے۔ سورۃ المزمل میں فرمایا گیا : "اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَاَقْوَمُ قِيلاً" یعنی نفس کو کچلنے' نفس کی قوت کو توڑنے اور قابو میں رکھنے کے لئے سب سے موثر شے رات کا جاگنا ہے۔

اگرچہ نزول وحی سے قبل بھی نبی اکرم ﷺ انسان کامل تھے' آپؐ کی شخصیت اور سیرت بے داغ تھی' اس پر کوئی دھبہ نہیں تھا' دشمنوں نے آپؐ کو اَلصَّادِق اور اَلاَمِین مانا ہے' لیکن اس کے باوجود انذار آخرت اور تکبیر رب کے کام کیلئے مزید تربیت ضروری تھی۔ سورۃ القلم میں فرمایا گیا : "اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" اے نبی آپؐ خلق عظیم کا نمونہ ہیں۔ لیکن بایں ہمہ جو بارگراں اور بھاری ذمہ داری آپؐ کے کاندھوں پر آنے والی ہے اس کے لئے ایک اضافی تربیت کی ضرورت ہے اور وہ ہے قیام اللیل۔ اور اس میں کیا کیجئے : "وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيلاً" اس قرآن کا آپؐ کے قلب مبارک پر نزول ہو۔ اسے ٹھہر ٹھہر کر' رک رک کر پڑھنا ہے' جیسے کہ ہتھوڑے کی چوٹ پڑتی ہے۔ ایک بار کی چوٹ سے بات نہیں بنتی بلکہ بار بار کی چوٹ مقصد کو پورا کرتی ہے : "كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيلاً" (الفرقان : ۳۲) "اسی طرح اتارا تاکہ ہم اس کے ذریعے سے آپ کے دل کو ثبات عطا فرمائیں۔ لہٰذا پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر"۔ تاکہ یہ قرآن آپ کے قلب میں جاگزیں ہو جائے۔

یہ حکم اور یہ کام صرف حضورؐ کے لئے نہیں تھا' بلکہ حضورؐ کے ساتھ آپؐ کی جو

جماعت تیار ہو رہی تھی اِس کے لئے بھی تھا۔ چنانچہ اسی سورۃ المزّمل کے دوسرے رکوع میں فرما دیا' جو بعد میں نازل ہوا ہے : "اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ "یعنی "اے نبی! ہمیں خوب معلوم ہے کہ آپؐ بھی اور آپؐ کے ساتھیوں کی ایک جماعت بھی دو تہائی رات اور آدھی آدھی رات اور تہائی رات کے قریب کھڑے رہتے ہیں"۔ مراد ہے وہ ترتیل قرآن کا کام سرانجام دے رہے ہیں جس کا حکم ابتداء میں صرف آپؐ کے لئے آیا تھا ـــــ یہ ہے تربیت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ کا جامع ترین لائحہ عمل جس میں قراءت قرآن' اقامتِ صلوٰۃ اور رات کا جاگنا تین چیزیں جمع ہو گئیں۔ اندازہ کیجئے کہ نصف رات تو بہت ہی زیادہ ہے لیکن ایک تہائی شب بھی کم نہیں ہے۔ اگر سردیوں کی رات چودہ گھنٹوں کی اور گرمیوں کی رات نو گھنٹوں کی ہو تو بالترتیب قریباً ساڑھے چار گھنٹے اور تین گھنٹے تو لگائے جائیں گے تب کہیں جا کر کم از کم تقاضا پورا ہو گا ـــــ یہ تھا قیام اللیل کا مکی دور میں کم از کم نصاب ـــــ مکی دور کے اواخر میں سورۂ بنی اسرائیل میں اس کا مستقل نصاب بایں الفاظ بیان ہوا ہے : "وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ" ـــــ دن کے اوقات میں تو اے نبی آپؐ نماز پڑھتے ہی ہیں۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ہے اور بعض رکعتوں میں قرآن کا دوسرا حصہ بھی پڑھا جاتا ہے' اور نماز فجر تو گویا ہے ہی قرآن الفجر' لیکن آپ کے لئے یہ کافی نہیں ہے' لہٰذا رات کا ایک حصہ تو اس قرآن کو ساتھ لے کر جاگئے۔ یہ آپؐ کے لئے زائد ہے۔ یہاں "فَتَهَجَّدْ بِهٖ" کا لفظ خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ یعنی قرآن کے ساتھ جاگنا مطلوب ہے ـــــ آپؐ کی وساطت سے اُمّت اور خاص طور پر اُن لوگوں کے لئے جو تکبیر رب' اقامت دین' اظہار دین الحق علی الدین کلہ کے لئے کمربستہ ہو جائیں' یہ نفل مشقت قرآن جمع صلوٰۃ ہے۔ تاکہ حالت نماز میں قرآن حکیم کو اپنے قلب و ذہن میں اتارنے کا یہ موثر ترین طریقہ جاری و ساری رہے۔ رات کی تنہائیوں میں طویل قیام میں ترتیل کے ساتھ قرآن کی قراءت دل کے آئینہ کو جس طرح صیقل کرتی ہے اور اس سے قوت ارادی کو جو نمو حاصل ہوتی ہے اور اس سے روح کو جو کیف و سرور حاصل ہوتا ہے اس سے لذت آشنا وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کو یہ توفیق و سعادت ملتی ہے۔

مخالفت و ایذا پر صبر و اِستقامت

نبی اکرم ﷺ کی تربیت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ تربیت میدان میں اتارنے کے لئے تھی، محض گوشے میں بٹھانے کی تربیت نہیں تھی۔ اس لئے کہ فوراً کشاکش یا عرف عام میں کشمکش شروع ہو جاتی تھی۔ جہاں زبان سے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا کلمہ نکلا فوراً مار پڑنی شروع ہو جاتی تھی۔ اب یہ جو مار پڑ رہی ہے تو یہ عملی تربیت کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ اگر اس کو جھیلو گے تو تمہاری قوت ارادی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جائے گی، تمہارے اندر صبر و استقامت کے اوصاف عالیہ ترقی پاتے چلے جائیں گے۔ اگر یہ کشمکش نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہے کہ آپ کسی شخص کو تیرنے کی تربیت خشکی پر دیں اور اسے بتائیں کہ تیرنے کے لئے یہ کرنا ہوتا ہے، وہ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن سال بھر کی ٹریننگ سے بھی وہ شخص تیراک نہیں بنے گا، جبکہ زیر تربیت تیراک کو پانی میں اتاریئے اور اسے بتایئے کہ تیرنے کے لئے اسے ہاتھ، پاؤں اور پورے جسم کو کس طرح استعمال کرنا ہے تو وہ چند دنوں میں بلکہ اگر کوئی ذہین ہو تو ایک ہی دن میں تیراک بن جائے گا ـــــ تو محمد ﷺ کی تربیت خانقاہی نہیں ہے۔ گوشے میں بٹھا کر دی جانے والی تربیت نہیں ہے۔

مقام غور ہے، محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں کیا کہ لوگوں کو نکال کر کہیں اور لے جائیں اور وہاں تربیت دیں، بلکہ یہ کیا ہے کہ جو شخص جہاں ہے، وہیں تربیت پائے۔ اور وہ شخص وہیں کھڑے ہو کر کہے کہ میں ایک اللہ کو مانتا ہوں، میں جناب محمد ﷺ کو رسول اللہ تسلیم کر چکا ہوں اور آپؐ کے نقش قدم اور آپؐ کی سنت پر چلنے کا فیصلہ کر چکا ہوں، میں آخرت کے محاسبہ کا یقین رکھتا ہوں۔ اس پر کشمکش شروع ہو جائے گی۔ اپنے گھر میں کشمکش ہو گی۔ اہل و عیال اور رشتہ داروں سے کشمکش ہو گی۔ آج آپ ذرا کسی رسم کو چھوڑ کر دیکھئے، آپ کی برادری آپ کا حقہ پانی بند کر دے گی۔ ذرا آپ زمانے کے جو چلن ہیں، جو رواج ہیں ان کو چھوڑ دیجئے، آپ کو یہ نظر آ جائے گا کہ آپ کے بچوں کے لئے رشتے نہیں ملیں گے، آپ کی بچیوں کے لئے کہیں سے پیغام نہیں آئیں گے۔ یہ ہے اصل میں تربیت۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ماریں کھا کر تربیت حاصل کی تھی۔ اُس دورِ سعید اور

ہمارے دور میں جو فرق ہے وہ پیش نظر رہنا ضروری ہے۔ وہاں کلمہ طیبہ پڑھنے پر مار پڑتی تھی۔ جس نے کہا : اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہ اسے ماریں پڑنا شروع ہو جاتی تھیں۔ یہاں تو آپ ہزار دانے کی تسبیح لے کر بیٹھ جائیں اور اس پر کلمہ طیبہ کا ورد کرتے رہیں، کوئی مخالفت نہیں ہو گی، کوئی مار نہیں پڑے گی، بلکہ ایسے شخص کے احترام و توقیر میں اضافہ ہو گا کہ یہ شخص بڑا اللہ والا ہے۔ آپ راتوں کو جاگئے، قرآن کی تلاوت کو معمولات میں شامل کیجئے، نفلی روزوں کا اہتمام کیجئے، اس پر آپ کو کوئی مار نہیں پڑے گی، بلکہ اگر لوگوں کے علم میں بھی یہ بات آجائے تو آپ کے تقویٰ اور تدیّن کی دھوم ہو گی۔

آج کے دور میں کشمکش جو شروع ہو گی وہ اس سے ہو گی کہ "میرے نزدیک ازروئے شریعت یہ کام غلط ہے، میں یہ نہیں کروں گا"۔ بس آپ نے جوں ہی یہ کیا وہیں کشمکش شروع ہو گئی۔ آج جو کشمکش ہے وہ شریعت پر عمل کرنے کی کشمکش ہے۔ اُس مکی دور میں شریعت نہیں تھی، صرف کلمہ شہادت پر مار پڑتی تھی۔ لیکن یہ طے ہے کہ جب تک مار نہ پڑے، کشمکش نہ ہو، تربیت نہیں ہوتی۔ وہ تربیت خانقاہی تربیت ہے جس میں مار نہیں پڑتی۔ ایک شخص ایک گوشہ میں بیٹھا اوراد و وظائف کی تسبیحات پڑھ رہا ہے تو اس کا بھی فائدہ ضرور ہو گا، لیکن اس کا ہدف وہ نہیں ہے جو تربیت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔ وہ تربیت انقلابی تربیت نہیں ہو گی، خانقاہی تربیت ہو گی۔ اگرچہ اس تربیت سے اچھا مسلمان وجود میں آئے گا، اسے روحانی ترفع حاصل ہو گا، وہ نیک ہو گا، صالح ہو گا، نماز میں اس کا جی لگے گا، ذکر اللہ میں اسے لذت حاصل ہو گی۔ یہ سب کچھ اسے حاصل ہو جائے گا لیکن وہ مرد میدان کبھی نہیں بنے گا، وہ باطل سے پنجہ آزمائی کبھی نہیں کر سکے گا۔ باطل اور طاغوت کو وہ کبھی نہیں للکار سکے گا۔ جبکہ یہاں وہ لوگ درکار ہیں جو میدان میں آئیں، باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے چیلنج کریں۔ اس کے لئے ضرورت ہے اس تربیت کی جس میں ماریں پڑ رہی ہوں، جس میں گھر والوں اور ماحول کے ساتھ شدید کشمکش سے سابقہ پیش آیا ہو۔ اکبر الٰہ آبادی کا شعر ہے کہ ؎

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
اِن خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

محمدؐ رسول اللہﷺ کے جان نثار ساتھی فی الواقع آگ میں جلے تھے۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا گیا تھا۔ اب جو شخصیت اِس طرح پک گئی' پختہ ہو گئی' جس نے صبر و مصابرت کا یہ مورچہ سر کر لیا وہ کیا میدان میں کبھی پیٹھ دکھا دے گی؟۔ یہ ہے انقلابی تربیت جس پر جب آپ عمل شروع کرتے ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ "یہ ہے میرا راستہ جس پر میں چلوں گا' چاہے والدین کو ناپسند ہو' چاہے اہل و عیال کو ناپسند ہو' چاہے رشتہ داروں کو ناپسند ہو" معاشرے کے ساتھ آپ کی کشمکش شروع ہو جائے گی۔ وہ شخص جو رشوت لے رہا ہے اور گھر والے عیش کر رہے ہیں وہ آج طے کر کے دیکھے کہ میں رشوت نہیں لوں گا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ سب سے پہلی لڑائی گھر میں ہو گی۔ اس لئے کہ جو دو دو پراٹھے کھاتے تھے اگر ان کو سوکھی روٹی پر گزارا کرنا پڑے تو سب سے پہلے دشمن خود اپنے گھر والے ہوں گے۔ جب تک اس قسم کی کشمکش در کشمکش نہیں ہوتی' اُس وقت تک وہ تربیت نہیں ہو گی جو اسلامی انقلاب کیلئے درکار ہے۔ کوئی شخص چالیس دن کے چلے کیلئے اپنے وطن سے دور تبلیغ کیلئے نکل جاتا ہے' وہاں اسے کوئی نہیں جانتا' اس کی عبادت اور نوافل دیکھ کر لوگ متاثر ہوں گے' مگر اپنے وطن میں وعظ و تبلیغ کرنا مشکل ہے کیونکہ لوگ آئینہ سامنے رکھ دیں گے کہ تم عملی زندگی میں رشوت اور سود سے پرہیز تو کرتے نہیں۔ پس اصل تربیت اپنے مقام اور ماحول میں ہوتی ہے جس طرح محمدؐ رسول اللہﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی فرمائی۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا نہایت اہم خطاب

جہاد بالقرآن

کتابی صورت میں دستیاب ہے

غلطیوں کی اِصلاح کا نبویؐ طریق کار

علامہ محمد صالح المنجد کی تالیف

"الأساليب النبوية في التّعامل مع أخطاءِ النّاس" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

الحمدُ لله ربِّ العالمين ' الرَّحمٰنِ الرَّحيم ' مالكِ يوم الدين ' الٰهِ الاوَّلين وَالاخِرين' وَقَيُّومِ السَّمَاوات وَالارضين ' وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ على نبيِّه الامِين ' مُعَلِّم الخلقِ المَبعوثِ رحمةً لِلعالمين.

اما بعد :

لوگوں کو دین کی باتیں بتانا' اور دین کی تعلیم دینا بہت بڑی نیکی ہے' جس سے نہ صرف تعلیم دینے والے کو فائدہ پہنچتا ہے' بلکہ اس کی خیر و برکت ہر خاص و عام تک پہنچتی ہے۔ پھر یہ عمل انبیاء و رسل کی وہ میراث ہے جس میں سے تبلیغ و تربیت کا فریضہ انجام دینے والے ہر شخص کو حصہ نصیب ہوا ہے۔

"لوگوں کو نیکی کی تعلیم دینے والے پر اللہ بھی رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے' بلکہ آسمان و زمین میں رہنے والی تمام مخلوقات اسے دعائیں دیتی ہیں' حتیٰ کہ بل میں موجود چیونٹی بھی اور مچھلی بھی اس کے لئے دعا کرتی ہے۔"[1]

تعلیم کے بہت سے طریقے اور مختلف ذرائع ہیں۔ ان میں "غلطی کی اصلاح" بھی شامل ہے۔ اصلاح' تعلیم کا ایک لازمی جزو ہے' اور انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

غلطیوں کی اصلاح اس "خیر خواہی" میں شامل ہے جو ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اور اس کا "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کے فریضہ سے گہرا تعلق ہے' جس کی وضاحت کی

ضرورت نہیں۔[۲]

علاوہ ازیں وحی الٰہی میں بھی غلطیوں کی اصلاح پائی جاتی ہے اور یہ قرآنی طریقہ کار ہے' کیونکہ قرآن مجید میں اوامر و نواہی بھی نازل ہوئے ہیں۔ اس میں بعض امور کو سابقہ حالت پر برقرار بھی رکھا گیا ہے' بعض امور کی تردید کی گئی ہے اور غلطیوں کی اصلاح بھی کی گئی ہے' حتیٰ کہ اگر نبی اکرم ﷺ سے بھی کوئی خلاف اولیٰ بات ہو گئی ہے تو قرآن مجید میں اس پر تنبیہہ نازل ہو گئی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ عَبَسَ وَتَوَلّٰی○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی○ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰی○ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی○ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی○ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی○ وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی○ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی○ وَهُوَ یَخْشٰی○ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی○ ﴾ (عبس : ۱-۱۰)

"(محمد ﷺ) ترش رو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے' کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا' آپ کو کیا معلوم شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا' یا نصیحت قبول کرتا تو اسے نصیحت سے فائدہ پہنچتا۔ جو پروا نہیں کرتا' آپ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں' حالانکہ اگر وہ پاکیزگی حاصل نہ کرے تو آپ پر کچھ (الزام) نہیں' اور جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا' اور وہ (اللہ سے) ڈرتا ہے' اُس سے آپ بے رخی فرماتے ہیں۔"

اور فرمایا :

﴿ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ' وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ... ﴾ (الاحزاب : ۳۷)

"جب آپ اس شخص سے فرما رہے تھے جس پر اللہ نے احسان کیا' اور آپ نے بھی احسان کیا' (فرماتے تھے :) اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر' اور آپ اپنے دل میں وہ بات پوشیدہ کرتے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا' اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے' حالانکہ اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔"

اور فرمایا :

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ' تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ' وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ' وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ ﴾

(الانفال : ٦٧)

"پیغمبر کو شایاں نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں' جب تک وہ (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں خون نہ بہا لے۔ تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو' اور اللہ آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے' اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔"

اور فرمایا :

﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ ﴾ (آل عمران : ۱۲۸)

"(اے نبیؐ) اس کام میں آپ کو کچھ اختیار نہیں۔ (اب دو صورتیں ہیں) یا اللہ ان پر مہربانی کرے یا انہیں عذاب دے کہ وہ ظالم لوگ ہیں۔"

بعض اوقات کسی صحابی سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ قرآن مجید میں اس طرح کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے ایک بہت بڑی غلطی ہو گئی کہ انہوں نے قریش کے نام خط لکھ دیا کہ نبی اکرم ﷺ ان پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا :

﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ' يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ' اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَا اَخْفَيْتُمْ وَمَا اَعْلَنْتُمْ ' وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيْلِ ○ ﴾

(الممتحنہ : ۱)

"اے مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔ تم چھپ کر ان سے دوستی (کرنے کی کوشش) کرتے ہو' حالانکہ وہ اس دین حق سے منکر ہیں جو

تمہارے پاس آیا ہے' وہ رسول کو اور تمہیں صرف اس لئے (وطن سے) نکالتے ہیں کہ تم اپنے مالک اللہ پر ایمان لائے ہو۔ اور مجھے خوب معلوم ہے جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کچھ علی الاعلان کرتے ہو۔ اور تم میں سے جو شخص یہ کام (کافروں سے دوستی) کرے گا' وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔"

اسی طرح غزوۂ اُحد میں جب تیر انداز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ جگہ چھوڑ دی جہاں نبی ﷺ نے انہیں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا' تو یہ فرمان الٰہی نازل ہوا :

﴿ حَتّٰى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ' مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ﴾

(آل عمران : ۱۵۲)

"حتی کہ تمہیں اللہ نے وہ کچھ دکھادیا جو تم پسند کرتے تھے' اس کے بعد تم نے ہمت ہار دی' اور (نبی کے) حکم کے بارے میں اختلاف کرنے لگے' تم میں بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت کے طالب تھے۔"

جب نبی اکرم ﷺ نے تادیب کے طور پر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے الگ قیام فرمایا تو بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

﴿ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ' وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ﴾

(النساء : ۸۳)

"اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے' تو اسے (بلا تحقیق) مشہور کردیتے ہیں۔ (حالانکہ) اگر وہ اس کو رسول اللہ ﷺ کے پاس اور اپنے سرداروں کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کرلیتے۔"

بعض مسلمانوں نے بغیر کسی شرعی عذر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل کیا :

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ' قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ' قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً

فَتُهَاجِرُوا فِيْهَا ﴾ (النساء : ۹۷)

"جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں' جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں : ہم زمین میں عاجز اور کمزور تھے۔ وہ کہتے ہیں : کیا اللہ کی زمین فراخ نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟"

جب منافقوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں افواہ پھیلائی جس سے اُم المومنین ؓ کا دامن پاک تھا' تو بعض مسلمانوں نے بھی منافقوں کے بہکاوے میں آکر زبان سے نامناسب الفاظ نکالے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں :

﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهُ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (النور : ۱۴-۱۵)

"اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی' تو جس بات کا تم چرچا کرتے تھے' اس کی وجہ سے تم پر ایک بڑا عذاب نازل ہو جاتا۔ جب تم اپنی زبانوں سے اس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے' اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تمہیں علم نہ تھا' اور تم اسے معمولی سمجھتے تھے' حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بڑی بھاری بات تھی۔"

اس کے بعد فرمایا :

﴿ وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَا اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا' سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (النور : ۱۶'۱۷)

"جب تم نے اسے سنا تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ایسی بات زبان پر لائیں۔ (اے اللہ) تو پاک ہے' یہ تو بہت بڑا بہتان ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر مومن ہو تو دوبارہ کبھی ایسا کام نہ کرنا۔"

ایک بار نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرام ؓ میں کسی بات پر اختلاف

ہو گیا۔ بحث کے دوران ان کی آوازیں کچھ بلند ہو گئیں۔ اس پر یہ آیات مبارکہ نازل ہوئیں :

﴿ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ○ يَااَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ○ ﴾ (الحجرات : ۱'۲)

"اے مومنو! (اپنی بات کو) اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھاؤ' اور اللہ سے ڈرو' بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ اے مومنو! نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو' اور آپ ﷺ سے اس طرح بلند آواز سے بات نہ کرو جس طرح ایک دوسرے سے بلند آواز سے بات کر لیتے ہو' ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں احساس بھی نہ ہو۔"

ایک دفعہ جناب رسول اللہ ﷺ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ تجارتی قافلہ آ گیا۔ بعض لوگوں نے خطبہ چھوڑ دیا اور تجارتی سامان کی خرید و فروخت کے لئے چلے گئے۔ اس پر یہ فرمان الٰہی نازل ہوا :

﴿ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا، قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ، وَاللّٰهُ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ○ ﴾

(الجمعہ : ۱۱)

"جب وہ تجارت یا کھیل تماشے کی چیز دیکھتے ہیں' تو آپ کو کھڑا چھوڑ کر اُدھر چلے جاتے ہیں۔ کہہ دیجئے : اللہ کے پاس جو کچھ ہے' وہ تماشے اور تجارت سے بہتر ہے۔ اور اللہ بہتر رزق دینے والا ہے۔"

اس قسم کی اور بہت سی مثالیں موجود ہیں جن سے غلطیوں کی اصلاح اور خاموش نہ رہنے کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ کے نازل کردہ نور کی روشنی میں برائی کی روک ٹوک اور غلطی کی اصلاح کے اسی طریق کار پر عمل پیرا رہے' اور آپ ﷺ نے اس کام میں کسی قسم کی سستی سے کام

نہیں لیا۔ اسی قسم کے دلائل سے علماء کرام نے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے کہ : "نبی ﷺ کے حق میں بیان اور وضاحت کو ضرورت کے وقت سے مؤخر کرنا جائز نہیں۔"

نبی اکرم ﷺ کی زندگی جن افراد کے درمیان گزری' ان سے سرزد ہونے والی غلطیوں کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا طرز عمل انتہائی اہمیت کا حامل ہے' کیونکہ آنحضرت ﷺ کو اللہ کی تائید و نصرت حاصل تھی' اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کی تائید یا تصحیح وحی کے ذریعے ہوتی رہتی تھی۔ اس لئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اختیار کردہ اسالیب زیادہ محکم اور زیادہ مفید ہیں۔ ان کے استعمال سے یہ امید زیادہ ہے کہ لوگ اصلاح کرنے والے کی بات مان لیں۔ تربیت کا فریضہ انجام دینے والا کوئی بھی فرد اگر ان طریقوں اور اسالیب پر عمل پیرا ہو تو اس کا یہ عمل زیادہ صحیح اور بہتر ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے' اس لئے نبوی طریق کار اور اسالیب پر عمل کرنے سے آنحضرت ﷺ کی اقتداء کا شرف بھی حاصل ہو جاتا ہے اور اخلاص کی موجودگی میں یہ چیز اجر و ثواب کے حصول کا باعث ہے۔

نبویؐ طریق کار کا مطالعہ کرنے سے دنیا میں پائے جانے والے متعدد اسالیب کی ناکامی اور غلطی واضح ہو جاتی ہے۔ ان میں سے اکثر اسلوب واضح طور پر غلط ہیں' اور ان کی بنیاد غلط نظریات پر رکھی گئی ہے' مثلاً بے قید آزادی کا نظریہ۔ یا وہ نسل در نسل منتقل ہونے والے غلط خیالات پر مبنی ہوتے ہیں' مثلاً آباء و اجداد کی اندھی تقلید۔

یہاں یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ اس نبوی منہج کو عملی طور پر اختیار کرتے ہوئے بہت حد تک اجتہاد سے کام لینا پڑتا ہے' تاکہ حالات و واقعات اور نتائج کو مد نظر رکھتے ہوئے جو اسلوب زیادہ مناسب معلوم ہو وہی کام میں لایا جائے۔ اور فقیہانہ نظر رکھنے والا شخص ملتے جلتے حالات و کیفیات پر گہری نظر ڈال کر مناسب اسلوب کا انتخاب کر سکتا ہے۔

اس کتاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا واسطہ جن افراد سے تھا' اور جن حضرات کے درمیان آپ ﷺ کی زندگی گزری' ان کے مقام و مرتبہ کے فرق اور ذہن و فکر کے اختلافات کو سامنے رکھتے ہوئے' آنحضرت ﷺ نے ان کی غلطیوں کے بارے میں جو مختلف انداز کار و یہ اختیار کیا' ان اسالیب کو جمع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے مسلمان بھائیوں کو توفیق دے' فائدہ پہنچائے اور صحیح بات کی طرف راہنمائی فرمائے۔ یہ سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے' اور وہی سیدھی راہ کی ہدایت دینے والا ہے۔

غلطیوں کی اصلاح کے موقع پر پیش نظر رکھے جانے والے بعض امور

اصل موضوع پر بات شروع کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ بعض ایسی باتیں بیان کر دی جائیں' جن کا دوسروں کی غلطیوں کی اصلاح کرنے سے پہلے اور اصلاح کے دوران خیال رکھنا ضروری ہے :

۱) اخلاص :

جب کسی کی غلطی کی اصلاح کا ارادہ کیا جائے تو ضروری ہے کہ اس عمل سے مقصود اللہ کی رضا کا حصول ہو' کسی سے برتری کی خواہش نہ ہو' نہ کسی پر اپنا غصہ نکالنے کا جذبہ کار فرما ہو' نہ یہ کوشش ہو کہ عوام کی نظروں میں کوئی مقام حاصل ہو جائے۔

امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک تابعی حضرت شفی اصبحی کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ وہ مدینہ منورہ پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے لوگ ایک بزرگ کے اردگرد جمع ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ صحابی رسول ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں : وہ لوگوں کو احادیث نبویہ سنا کر وعظ کر رہے تھے۔ میں آہستہ آہستہ قریب ہوتے ہوتے آپؓ کے سامنے جا بیٹھا۔ جب وہ وعظ سے فارغ ہوئے اور لوگ اٹھ کر جانے لگے تو میں نے عرض کی : میں آپؓ کو حق کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے ایسی کوئی حدیث سنائیں جو آپ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے براہ راست سنی اور سمجھی ہو اور آپ کو اچھی طرح یاد ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : "ہاں' میں سناؤں گا' میں ایسی ہی حدیث سناؤں گا' جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے سنائی' اور میں نے اسے سمجھا اور یاد کیا۔" پھر اچانک ان کی حالت غیر ہو گئی' تھوڑی دیر بعد حواس بجا ہوئے تو فرمایا : "میں آپ کو ضرور وہ حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے اِس گھر میں سنائی تھی' اس وقت آنحضرت ﷺ

کے پاس میرے سوا کوئی نہیں تھا۔" اتنا کہتے ہی پھر حالت غیر ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو چہرے سے پسینہ پونچھنے لگے۔ پھر فرمایا : "ہاں' میں آپ کو ضرور وہ حدیث سناؤں گا' جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے سنائی تھی' جب کہ میں اِس گھر میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ تھا' میرے سوا آپ ﷺ کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا"۔ اس کے بعد پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حالت خراب ہو گئی اور آپؓ چہرے کے بل جھک گئے' میں نے بہت دیر تک آپؓ کو سہارا دیئے رکھا۔ تب آپؓ کی حالت سنبھلی۔ تب فرمایا : مجھے جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث سنائی کہ :

"جب قیامت کا دن ہو گا' اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے زمین پر تشریف فرما ہوں گے۔ ہر جماعت گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی ہو گی۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ جن شخصوں کو بلائیں گے' ان میں سے ایک وہ آدمی ہو گا جس نے قرآن پاک یاد کیا ہو گا' اور ایک وہ آدمی ہو گا جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتا رہا ہو گا اور ایک بہت مال دار آدمی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کے عالم سے فرمائیں گے : کیا میں نے تجھے وہ کتاب نہیں سکھائی تھی جو میں نے اپنے رسول پر نازل کی تھی؟ وہ کہے گا : جی ہاں' یا رب۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے : پھر تو نے اپنے علم پر کیسے عمل کیا؟ وہ کہے گا : میں رات دن اس میں مشغول رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے : تو نے جھوٹ کہا' اور فرشتے اسے کہیں گے : تو نے جھوٹ کہا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے : تیری نیت تو یہی تھی کہ کہا جائے فلاں آدمی (بڑا) قاری اور عالم ہے۔ وہ (دنیا میں) کہا جا چکا ہے۔ اسی طرح صاحب ثروت شخص کو حاضر کیا جائے گا' اللہ تعالیٰ اسے فرمائیں گے : کیا میں نے تجھے (مالی) آسودگی نہیں بخشی تھی حتیٰ کہ میں نے تجھے کسی کا محتاج نہ رہنے دیا؟ وہ کہے گا : جی ہاں' یا رب۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے : پھر تو نے دیئے ہوئے مال کا کیا کیا؟ وہ کہے گا : میں رشتہ داروں پر احسان کرتا تھا اور (سب ضرورت مندوں پر) صدقہ کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے : تو جھوٹا ہے۔ فرشتے بھی کہیں گے : تو جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے : تو یہ چاہتا تھا کہ لوگ کہیں : فلاں بہت سخی ہے۔ وہ (دنیا میں) کہا جا چکا۔ اسی طرح اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے کو حاضر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائیں گے : تجھے کس لئے قتل کیا گیا؟ وہ کہے گا : مجھے تیری راہ میں

جہاد کا حکم ملا' تو میں جنگ کرتا رہا حتیٰ کہ مجھے قتل کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائیں گے : تو جھوٹا ہے۔ فرشتے بھی اسے کہیں گے : تو جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے : بلکہ تیری خواہش صرف یہ تھی کہ کہا جائے : فلاں بہت بہادر ہے۔ وہ کہا جا چکا۔" اس کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا : "ابو ہریرہ! یہ تین شخص ہیں' جو قیامت کے دن تمام مخلوقات میں سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے۔"(۳)

اگر نیت صحیح ہو تو ثواب بھی ملے گا' اور اللہ کے حکم سے بات میں اثر بھی پیدا ہو گا اور سننے والے اس کی بات مانیں گے۔

۲) غلطی فطری چیز ہے :

ارشاد نبوی ہے :

((كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَ خَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ)) (۴)

"تمام بنی آدم خطا کار ہیں' اور بہتر خطا کار وہ ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں۔"

یہ ایک واضح حقیقت ہے' اسے یاد رکھنے سے ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ تربیت کرنے والے استاد اور واعظ کو افراد سے اعلیٰ ترین مثالی کردار یا معصوم عن الخطا ہونے کی توقع رکھ کر ان کا محاسبہ نہیں کرنا چاہئے' نہ دوبارہ غلطی ہو جانے پر یا بڑی غلطی سرزد ہو جانے پر ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا درست ہے کہ ان کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ان کے ساتھ حقیقت پر مبنی رویہ رکھنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ انسان فطری طور پر لاعلمی' غفلت' نقص' خواہش نفس اور نسیان جیسے عوارض کا شکار ہو جایا کرتا ہے۔

اس حقیقت کو پیش نظر رکھنے سے یہ فائدہ بھی ہو گا کہ اچانک کوئی غلطی سامنے آجانے کی صورت میں داعی جذبات میں آکر توازن سے محروم نہیں ہو جائے گا' ورنہ غلطی کرنے والے کی طرف سے نامناسب رد عمل پیش آسکتا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے سے نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے مبلغ اور استاد کو یہ بات یاد رہے گی کہ وہ خود بھی ایک انسان ہے' اس سے بھی اسی غلطی کا صدور ممکن ہے جو دوسرے شخص نے کی ہے۔ چنانچہ وہ غلطی کرنے والے کے ساتھ سختی کی نسبت نرمی کا معاملہ اختیار

کرنے کو ترجیح دے گا' کیونکہ اصل مقصد اصلاح ہے' انتقام یا سزا نہیں۔

لیکن مذکورہ بالا گزارشات کا یہ مطلب نہیں کہ ہم غلطی کرنے والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں' اور کبیرہ گناہوں کے مرتکب افراد کی طرف سے یہ معذرت کریں کہ وہ نوجوان ہیں' یا ان کا دور گناہوں پر ابھارنے والے عوامل اور فتنوں سے بھرپور ہے' بلکہ برائی سے روکنا اور محاسبہ کرنا چاہئے' لیکن شریعت کی میزان کے مطابق۔

۳) شرعی دلیل کی بنیاد پر' اور مدلل تردید' نہ کہ بغیر علم کے محض جذبات کی بنیاد پر :

حضرت محمد بن منکدر رحمتہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے صرف ایک چادر اوڑھ کر' اسے سر کے پیچھے گرہ لگا کر نماز پڑھی [۵] حالانکہ ان کے کپڑے (قریب ہی) تپائی پر پڑے ہوئے تھے۔ کسی نے کہا : "آپ ایک چادر میں نماز پڑھتے ہیں؟" انہوں نے فرمایا : "میں نے اس لئے یہ کام کیا ہے تاکہ تجھ جیسا احمق دیکھ لے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک میں ہم میں سے کس کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے؟"[۶]

امام ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا : "یہاں احمق سے مراد بے علم ہے..... ان کا مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ ایک کپڑا پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے' اگرچہ دو کپڑے پہن کر نماز پڑھنا افضل ہے۔ ان ؓ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ میں نے یہ کام جان بوجھ کر بیان جواز کے مقصد سے کیا ہے' تاکہ بے علم یا ویسے ہی میری پیروی کر لے' یا مجھے ٹوکے تو میں اسے بتاؤں کہ یہ جائز ہے۔ انہوں نے کلام میں سختی اختیار فرمائی تاکہ علمائے کرام کو ٹوکنے سے منع فرمائیں' اور اس لئے بھی کہ لوگ شرعی مسائل میں تحقیق کیا کریں۔"[۷]

۴) غلطی جتنی بڑی ہو' اس کی اصلاح کا اہتمام اتنا ہی زیادہ ہونا چاہئے :

چنانچہ جن غلطیوں کا تعلق عقیدہ سے ہے' ان کی اصلاح کا اہتمام آداب وغیرہ سے تعلق رکھنے والی غلطیوں کی نسبت زیادہ ہونا چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ نے شرک کی ہر قسم سے تعلق رکھنے والی غلطیوں کی چن چن کر اصلاح کی' کیونکہ شرک سب سے خطرناک چیز ہے۔ ذیل میں چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں :

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دن جناب رسول اللہ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی' اس دن سورج گرہن تھا۔ بعض لوگوں نے کہا : یہ تو ابراہیمؓ کی وفات کی وجہ سے بے نور ہوگیا ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا : "سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' انہیں کسی کے مرنے جینے سے گرہن نہیں لگتا۔ تم جب انہیں گہنایا ہوا دیکھو تو گرہن ختم ہونے تک اللہ سے دعا اور نماز میں مشغول رہو۔"(۸)

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ جہاد کے لئے حنین تشریف لے جارہے تھے' راستے میں آپ کا گزر مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے ہوا جو "ذات انواط" کے نام سے معروف تھا' وہ لوگ اس پر (برکت حاصل کرنے کے لئے) اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ بعض مسلمانوں نے عرض کی : یارسول اللہ ﷺ! جس طرح ان کا یہ "ذات انواط" ہے' اسی طرح ہمارے لئے بھی کوئی درخت مقرر فرمادیجئے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : "سبحان اللہ! یہ تو ایسی ہی بات ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا : جس طرح ان لوگوں کے معبود (بت) ہیں' ہمارے لئے بھی ایک معبود بنادیجئے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم (مسلمان) ضرور اپنے سے پہلوں (غیر مسلموں) کے طریقوں پر چلوگے۔"(۹)

حضرت ابو واقد رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین کی طرف روانہ ہوئے۔ (راستے میں) کافروں کی ایک بیری تھی' وہ اس کے پاس (مجاور بن کر) بیٹھتے اور اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے۔ اسے ذات انواط کہا جاتا تھا۔ صحابی ارشاد فرماتے ہیں : ہم ایک بڑی ہری بھری بیری کے پاس سے گزرے تو ہم نے کہا : یارسول اللہؐ! ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط مقرر فرمادیجئے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تم نے وہی بات کی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا : جس طرح ان لوگوں کے معبود ہیں' ہمارے لئے بھی ایک معبود بنادیجئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : "تم تو جہالت کی بات کررہے ہو"۔ یہی تو وہ طور طریقے ہیں' تم گزشتہ اقوام

کی ایک ایک رسم اپنالو گے۔"(۱۰)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا : جناب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی' رات کو بارش ہوئی تھی' نماز سے فارغ ہو کر آنحضرت ﷺ صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا : "کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟" صحابہ نے عرض کی : اللہ کو اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "اللہ تعالیٰ نے فرمایا : "اِس صبح میرا کوئی بندہ مجھ پر ایمان لانے والا بن گیا' کوئی کفر کرنے والا۔ جس نے تو یہ کہا : ہمیں اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ملی ہے' وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا ہے اور ستاروں کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔ اور جس نے کہا : فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے' وہ میرے ساتھ کفر کرنے والا اور ستارے پر ایمان رکھنے والا ہے۔"(۱۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا : اے اللہ کے رسول! جو کچھ اللہ چاہے' اور جو آپ چاہیں وہی ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : "تو نے مجھے اللہ کے برابر کر دیا؟ بلکہ وہی ہوتا ہے جو اکیلا اللہ چاہے۔"(۱۲)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک قافلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو باپ کی قسم کھاتے پایا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے سب لوگوں کو بلند آواز سے مخاطب کر کے فرمایا : "سنو! اللہ تمہیں باپوں کی قسمیں کھانے سے منع فرماتا ہے' جسے قسم کھانا ہو وہ اللہ کی قسم کھائے' ورنہ خاموش رہے۔"(۱۳)

حضرت ابو شریح ہانی بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' کچھ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ وہ ایک آدمی کو عبد الحجر (پتھر کا غلام) کہہ کر بلاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اسے کہا : "تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے کہا : عبد الحجر (پتھر کا بندہ)۔ فرمایا : "نہیں' تو عبد اللہ (اللہ کا بندہ) ہے۔"(۱۴)

(جاری ہے)

حواشی

(۱) سنن ترمذی' حدیث ۲۶۸۵ (طبع احمد شاکر) امام ترمذی نے فرمایا : یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(۲) البتہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ "غلطی" کا دائرہ "منکر" (برائی) سے زیادہ وسیع ہے۔ کیونکہ غلطی کبھی "منکر" میں شامل ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی۔

(۳) سنن ترمذی' حدیث ۲۳۸۲۔ امام ترمذی نے فرمایا : یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(۴) سنن ترمذی' حدیث ۲۴۹۹۔ سنن ابن ماجہ' حدیث ۴۲۵۱۔ تحقیق عبد الباقی۔

(۵) اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس پاجامے نہیں ہوتے تھے' تو نمازی چادر کو سر کے پیچھے گردن پر گرہ لگالیا کرتا تھا تاکہ رکوع اور سجدہ میں پردہ قائم رہے۔ (فتح الباری طبع سلفیہ ۴۶۷/۱)

(۶) صحیح بخاری' فتح الباری حدیث ۳۵۲۔

(۷) فتح الباری ۴۶۷/۱۔

(۸) صحیح بخاری' حدیث نمبر ۱۰۶۱۔

(۹) جامع ترمذی حدیث نمبر ۲۱۸۰۔ امام ترمذی نے فرمایا : یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۱۰) مسند احمد' جلد ۵ صفحہ ۲۱۸ (۱۲) مسند احمد' ۲۸۳/۱۔

(۱۱) صحیح بخاری' حدیث نمبر ۸۴۶۔ (۱۳) صحیح بخاری' حدیث نمبر ۶۱۰۸۔

نوٹ : مسند احمد میں سعدؓ بن عبیدہ سے مروی ہے' انہوں نے کہا : میں ایک حلقہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا۔ انہوں نے دوسرے حلقہ میں موجود ایک شخص کو کہتے سنا : "میرے باپ کی قسم"۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے کنکریاں ماریں اور فرمایا : "عمرؓ نے یہ قسم کھائی تھی تو نبی ﷺ نے انہیں منع کیا اور فرمایا : یہ شرک ہے۔" (الفتح الربانی ۱۶۴/۱۴)

(۱۴) الادب المفرد' امام بخاری' حدیث ۸۱۳۔ جناب البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (صحیح الادب المفرد' حدیث ۶۲۳)

ضرورت رشتہ

صوم و صلوٰۃ کے پابند مغل جٹ خاندان کے فارغ البال' 58 سالہ صاحب جائیداد شخص کو رفیقہ حیات کے طور پر 45 سال تک کی باسلیقہ' وفاشعار اور صوم و صلوٰۃ کی پابند خاتون کا رشتہ مطلوب ہے۔ بیوہ یا مطلقہ بغیر بچوں کے قبول ہوگی۔ ترجیحاً بانجھ۔

برائے رابطہ : 413489-7582892 (اتوار کے علاوہ تمام دن' صبح 8 تا رات 10 بجے)

تنظیم اسلامی ہی کیوں؟

تحریر : عمران این حسین' ترجمہ : سید افتخار احمد

گزشتہ سے پیوستہ

خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے اور موجودہ دور میں اُمّتِ مسلمہ پر ہونے والے شیطانی حملے کے پس پردہ حقائق کا تجزیہ

جب ہم قرآن مجید کے پس منظر میں جائزہ لیتے ہیں تو خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کا واقعہ ہمیں ایک ایسے وقت میں ظہور پذیر ہوتا نظر آتا ہے جبکہ قرآن مجید کے حوالے سے خصوصی اہمیت کے حامل بعض دوسرے واقعات بھی رونما ہو رہے تھے۔ مثلاً سلطنتِ عثمانیہ کی شکست و ریخت نہ ہوتی اگر یورپ میں ایک ایسی بنیادی تبدیلی نہ واقع ہو گئی ہوتی جس نے یورپین تہذیب کو دنیا کے اسٹیج پر ایک بڑے کردار کی صورت میں پیش کیا۔ ہماری مراد فرانس اور روس کے انقلابات سے ہے جو مشرقی و مغربی یورپ کی تہذیب کو اس کی بنیاد یعنی عیسائیت سے ہٹا کر ملحدانہ اور بے خدا تہذیب کی طرف لے گئے۔ سائنسی اور صنعتی انقلابات اور سرمایہ دارانہ معاش کے ظہور نے اس بے خدا تہذیب کو تمام انسانیت کو اپنے چنگل میں پھنسا لینے کے قابل بنا دیا۔ طاقت کے حصول کے بعد اس ملحدانہ یورپی تہذیب نے بقیہ دنیا کو ملحد بنانے کا مشن اپنے سر لے لیا۔ سلطنت عثمانیہ عین یورپ کے سر پر تھی جس کی بنیاد تا حال متبرک اور مقدس (یعنی مذہبی) اصولوں پر قائم تھی' اور نظام خلافت نے اسلام کے شرعی اور مقدس نمونے کو ایک اجتماعی اور عالمی نظام کے حوالے سے قائم کیا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت عثمانیہ کو باقاعدہ ہدف بنا کر ختم کیا گیا۔ خلافت کے خاتمہ کے نتیجہ میں ان قوتوں کی راہ کی آخری بڑی رکاوٹ دور ہو گئی جو تمام انسانیت کو ملحد اور بے خدا بنانے پر تلی ہوئی تھیں۔ چنانچہ اُس حدیثِ قدسی کے ظہور کا وقت آن پہنچا جس کی رو سے دورِ فتن میں ہر ۱۰۰۰ میں سے ۹۹۹ اشخاص جہنم کا لقمہ بنے

والے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں موجودہ ملحدانہ تہذیب کے ہاتھوں خلافت کے خاتمہ کا مطلب یہ تھا کہ یاجوج وماجوج کے زمانہ کی شروعات ہو چکی ہیں :

﴿ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝ ﴾

(الکھف : ۹۸-۹۹)

"(ذوالقرنین نے اس آہنی دیوار کو دیکھ کر) کہا (یہ جو کچھ ہو تو فی الحقیقت) میرے رب کی مہربانی ہے، مگر جب میرے رب کے وعدے کا وقت آئے گا تو وہ اس (دیوار) کو ڈھا کر برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔ اور (جس دن یہ بات ظہور میں آئے گی تو) اس دن ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے کہ وہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا پھر ہم سب انسانوں کو (میدان حشر میں) جمع کر دیں گے"۔

تاریخ کے اس مرحلے میں جہاں ایک طرف جدید ملحدانہ یورپی تہذیب خلافت عثمانیہ کو ختم کر رہی تھی، وہاں دوسری طرف اس سے بھی زیادہ شرانگیز انقلاب دنیائے یہود میں نمودار ہو رہا تھا۔ ایک ملحدانہ صیہونی تحریک مشرقی یورپ کے یہودیوں میں پیدا ہوئی، جس نے اعلان کیا کہ فلسطین کی مقدس سرزمین یہودیوں کی ملکیت ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی تھی۔ صیہونیوں نے اس حقیقت کو نظرانداز کر دیا کہ یہود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں بگاڑ پیدا کر کے اس سے غداری کی ہے، اور نتیجتاً وہ اس متبرک سرزمین پر اپنے حق سے محروم ہو چکے ہیں۔ عام یہودیوں نے اس صیہونی تحریک کے ترغیبی چارہ کو ہڑپ کر لیا اور اس طرح اب اسرائیلی ریاست کا قیام یہودیوں کے لئے ہدف قرار پایا، قطع نظر اس سے کہ اس ہدف کو حاصل کرنے کے لئے انہیں کیا صحیح یا غلط ذرائع اختیار کرنے پڑتے ہیں۔ صیہونیت ایک شیطانی قوت کی پیدا کردہ تحریک تھی جس نے یہودیوں کو دھوکہ دیا اور انہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کر لیا۔ یہود ایک ایسی راہ پر چل نکلے جس کے آخری سرے پر یہودیوں اور یہودیت دونوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے تباہی لکھی ہوئی

ہے۔ اس شیطانی قوت (یعنی دجال) کے خروج اور یاجوج و ماجوج کے کھل جانے کے بارے میں قرآن حکیم کی آخری سے پہلی سورۃ میں خبردار کیا گیا ہے :

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝﴾

(الفلق : ۱، ۲)

"(اے پیغمبرؐ) کہہ دیجئے میں پناہ مانگتا ہوں صبح کے رب کی، اس (شیطانی قوت کے) شر سے جو اس نے پیدا فرمایا"۔

اس طرح ہم نے خلافت کی تباہی اور اسی دور میں ریاست اسرائیل کے قیام کا مشاہدہ کیا۔ ان دونوں واقعات کے پیچھے ایک ہی شیطانی قوت کار فرما تھی۔ اس کی تصدیق قرآن مجید کی سورۃ الانبیاء کی آیت ۹۵، ۹۶ سے ہوتی ہے، جہاں پر اللہ تعالیٰ نے ایک بستی (بیت المقدس بطور اسرائیلی ریاست) کی تباہی کا ذکر فرمایا۔ اور پھر اس بستی کے دوبارہ آباد ہونے (یعنی ریاست اسرائیل کے دوبارہ قیام) کا ذکر فرمایا کہ یہ بستی یاجوج ماجوج کے دور میں ہی دوبارہ آباد ہوگی :

﴿وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝﴾

"اور ممکن نہیں ہے کہ جب ایک بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا ہو وہ پھر پلٹ سکے یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے نکل پڑیں گے"۔ (الانبیاء : ۹۵، ۹۶)

ہم نے دیکھا کہ کس طرح یہودیوں کو دھوکہ دیا گیا اور انہیں اس راہ پر گامزن کر دیا گیا جس پر وہ انسانیت کے ساتھ بالعموم اور مسلمانوں کے ساتھ بالخصوص فسق و فجور اور ظلم و ستم پر مشتمل اپنے رویہ کو جاری رکھ سکیں۔

اسی ضمن میں ایک تیسرا واقعہ بھی پیش آیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نشانی تھی جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے جس کے مطابق یہودیوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ اگر تم نے فرعون کی روش اختیار کی تو تمہارا بھی وہی انجام ہوگا جو فرعون کا ہوا تھا۔ (حوالہ قرآن مجید سورۂ یونس : ۹۲) یہ واقعہ ۱۸۹۸ء میں Loret کے ہاتھوں مصر کے زیریں حصہ میں

واقع بادشاہوں کی وادی میں فرعون کی لاش کا دریافت ہونا تھا۔

اس کے ساتھ ہی تین اور واقعات پیش آئے' بلکہ درحقیقت پیش آ رہے ہیں' جو سب کے سب اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ اس شیطانی قوت کے ظہور ہی سے متعلق ہیں۔ یہ واقعات جدید مغربی تہذیب کی مادہ پرستی والحاد پر مبنی فلسفیانہ بنیاد ہی کے مختلف نتائج ہیں :

۱) یورپی معیشت کا سود کی بنیاد پر قائم ہونا' اور پھر پوری دنیا کی معیشت پر اس لعنت کا مسلط ہو جانا۔ سلطنت عثمانیہ اس کا خاص طور پر نشانہ بنی۔ اس عظیم ریاست کا زوال تو محمود ثانی (۱۸۰۸ تا ۱۸۳۹ء) کے دور ہی میں شروع ہو گیا تھا' جب یہودی ساہوکار سود کے ساتھ وہاں داخل ہو گئے تھے۔ ۱۸۹۶ء تک عثمانی معیشت پر سودی نظام کا تسلط اس قدر شدید ہو چکا تھا اور اس کے نتیجہ میں عثمانی خلیفہ اس طرح جکڑا جا چکا تھا کہ صیہونی لیڈر ہرزل کو سلطان عبدالحمید دوم سے ملاقات کرنے اور معاشی لحاظ سے بلیک میل کرنے کا موقع مل گیا۔ فلسطین کے عوض اس نے سلطنت عثمانیہ کی معیشت کو کلی طور پر تباہی سے بچانے کی پیشکش کی۔ عبدالحمید کے انکار پر اسے معزول کرا دیا گیا اور اس طرح آسانی سے خلافت ختم کرا دی گئی۔ یہودی ساہوکاروں کا یہ منصوبہ کامیابی سے ہمکنار ہو گیا۔

۲) یورپ کی جدید فلسفیانہ سیاست کی بنیاد پر شرک کا ابھرنا۔ آج اللہ تعالیٰ کو حاکم مطلق نہیں مانا جاتا بلکہ اب جدید لادینی ریاست حاکم مطلق ہے۔ جدید یورپی نظام ریاست و سیاست نے تمام انسانیت کو اپنی مہلک آغوش میں لے لیا۔ بالخصوص خلافت کی مسند اس کا نشانہ بنی۔ جب خلافت ختم ہو گئی تو ترکی کی جدید لادینی ریاست اس شرک کی بنیاد پر ابھری۔ ترکی سے یہ لعنت عبدالعزیز بن سعود کی طرف منتقل ہوئی جس نے عالم اسلام کے قلب کو سعودی عرب کی جدید ریاست میں تبدیل کر دیا جس کی بنیاد وہی شرک تھا۔ پاکستان نے بھی کمزوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسی کی تقلید کی اور اس طرح علامہ اقبال کی مساعی بظاہر رائیگاں چلی گئی۔

۳) یورپ کے جدید لادینی معاشرہ کے قلب میں نئے فلسفہ نسواں (Feminism) کا ابھرنا۔ اس کے نتیجہ میں جنسی انقلاب آیا جس نے گویا اخلاقیات کی عمارت کو منہدم

کر دیا۔ اس آزادی کے نتیجہ میں جنسی آوارگی کا وہ سیلاب آیا جو تاریخ میں پہلی مثال تھا۔ یہ وہ "کثرالخبائث" تھا جس کو رسول اکرم ﷺ نے یاجوج ماجوج کی رہائی کی علامت قرار دیا تھا۔ اس تباہ کن اور مادر پدر آزاد شہوانیت نے اب تمام انسانیت بالخصوص دنیائے اسلام کو اپنا نشانہ بنالیا ہے۔

ان واقعات سے ذرا پیشتر' یا جب یہ رونما ہو رہے تھے' دنیائے اسلام نے اب تک ظاہر ہونے والے نبوت کے جھوٹے دعویداروں یعنی دجالوں میں سے سب سے بڑھ کر خطرناک دجال کا مشاہدہ کیا۔ ہماری مراد آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی ہے جو احمدی تحریک کا بانی تھا۔ وہ اس وقت ظاہر ہوا جب نظام خلافت پر حملہ کی تیاری ہو رہی تھی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا بنیادی مقصد مسلمانوں کے خیالات اور عقائد کو بگاڑنا تھا' بالخصوص ان عقائد کو جو دور فتن کی ماورائے حواس حقیقت کے صحیح شعور سے تعلق رکھتے تھے۔ مرزا قادیانی خلافت کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنانے والی شیطانی قوتوں کا آلہ کار تھا۔ اس کا اصل کردار فکر اسلامی کی توجہات کو ان قوتوں کی طرف سے ہٹانا اور دانش مند طبقے کو کلامی بحثوں میں مبتلا کر کے الجھا دینا تھا۔

علامہ اقبال ان تمام واقعات کے پیچھے چھپی حقیقت کو سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے ان شیطانی قوتوں کو جو دنیا میں پھیلا دی گئی تھیں اور اپنے وقت کے اہم ترین خطرہ کو خوب پہچان لیا تھا۔ علامہ اقبال سیالکوٹ میں پیدا ہوئے تھے جہاں وہ مکار دجال مرزا غلام احمد بھی کچھ عرصہ رہا تھا۔ اقبال نے اس کے وہ شیطانی منصوبے بھانپ لئے تھے جن سے وہ امت کی تباہی بپا کرنا چاہتا تھا۔ لیکن انہیں ایک ایسی جماعت کی طاقت اور مدد حاصل نہ تھی {۱} جو ان منصوبوں کا توڑ کر سکتی۔ تاہم انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی مذمت

{۱} علامہ اقبال کی ایک مصدقہ جماعت بنانے کی کوشش حال ہی میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی کتاب "علامہ اقبال اور مسلمانوں کا سیاسی نصب العین" کی اشاعت سے ظاہر ہوئی ہے۔ یہ کتاب تعلیمات اسلامی کمیٹی نے لاہور (پاکستان) میں ۱۹۹۶ء میں شائع کی۔ اس کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے حافظ عاکف سعید صاحب نے ایک مضمون "بعض غیبی اشارات کے پیش نظر علامہ اقبال کی آخری خواہش جو بوجوہ شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکی" کے عنوان سے تحریر کیا ہے' جسے مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔

کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس بڑے خطرہ سے آگاہ کیا جو انہیں قادیان کے شریر دجال کی طرف سے درپیش تھا۔ انہوں نے یورپ کی جدید ملحدانہ اور بے خدا تہذیب کے خطرات سے بھی مسلمانوں کو خبردار کیا اور یہود کی نئی روش کے خوفناک نتائج کے متعلق بھی مسلمانوں کو قبل از وقت آگاہ کیا۔ اگر کسی کا یہ خیال تھا کہ آل انڈیا مسلم لیگ اور اس کے لیڈر محمد علی جناح ایک اسلامی جماعت اور اس کے امیر کے طور پر کام کرتے ہوئے جنوبی ایشیا میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا باعث بنیں گے تو یہ بہت بڑی غلط فہمی تھی کیونکہ نہ تو مسلم لیگ ایک ٹھیٹھ اسلامی جماعت تھی اور نہ ہی جناح ایک مستند امیر یا امام تھے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جناح نے کبھی ایسا کوئی دعویٰ بھی نہیں کیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ اور مسٹر جناح کو اتنی قرآن فہمی حاصل نہیں تھی کہ وہ موجودہ دور کی خطرناک حقیقت حال کو سمجھ سکتے' یہ صرف اقبال ہی کی ذہنی استعداد تھی کہ انہوں نے اس شر کو پہچان لیا۔ مسلم لیگ نہ تو خلافت کے خاتمہ پر مناسب رد عمل کا مظاہرہ کر سکی اور نہ ہی وہ ملحدانہ اور بے خدا دور کے خطرات کو سمجھ سکی۔ جہاں تک اس دجال کا تعلق ہے جو جنوبی ایشیا کے دانش مند مسلمان طبقے کو بیوقوف بنانے کے لئے بھیجا گیا تھا' تو واقعہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو اس حد تک کامیابی ہوئی کہ مسٹر جناح نے سر ظفر اللہ خان کو' جو مرزا کا بہت ہی صاحب کمال اور ذہین پیروکار تھا' پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کر دیا۔

ہم خلافت کے خاتمہ کی تاریخی حقیقت کے ماورائے حواس پہلو کا سرسری جائزہ لینے کی حد تک کفایت کرتے ہیں' تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ کن وجوہات کی بنا پر اس کی بحالی ان ۷۳ سالوں میں ممکن نہ تھی۔ تاہم بعض ایسے لوگ جو بیعت سے متردد ہیں' یہ سوال کرتے ہیں کہ استنبول میں خاتمے کے بعد خلافت کسی اور جگہ کیوں بحال نہ ہو سکی؟ اور اب ہم ۷۰ سال سے کیوں خلافت کے بغیر رہ رہے ہیں؟ اس کا اصل سبب صرف یہ دور ہے جس میں ہم سانس لے رہے ہیں۔ یہ وہ دور ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ سب سے بڑی شیطانی قوت کا ظہور ہو گیا ہے جو بالآخر انسانی شکل میں ظاہر ہو گی۔ یہ دجال اور یاجوج ماجوج کا دور ہے۔ اسلامی انقلابی تحریک جو خلافت کی بحالی کے لئے کوشاں ہے اپنی اس جدوجہد میں کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک وہ اس موجودہ دور کی اصل حقیقت کا صحیح

ادراک نہ کرلے اور تسلیم نہ کرلے کہ یہ درحقیقت دجال کا دور ہے۔ وہ مستند اسلامی انقلابی تحریک یا جماعت جو دور حاضر سے متعلق اقبال کے صحیح قرآنی فکر سے آراستہ ہو' ۱۹۲۴ء میں اور اس کے بعد موجود نہیں تھی' تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ خلافت کی بحالی کے لئے ایک کامیاب جدوجہد کی جاسکتی؟ الحمدللہ اب دنیائے اسلام میں کئی ایک جگہ ایسی مستند اسلامی انقلابی تحریکیں ابھر رہی ہیں۔

اب ہم اس دور کی سیاسی حقیقت کا تجزیہ کرتے ہیں' جس نے خلافت کے خاتمے کا مشاہدہ کیا اور جو ۱۹۲۴ء سے آج تک گزرا ہے۔

ترکی کی اعلیٰ قومی اسمبلی کے خاتمہ خلافت کے اعلان کے ٹھیک چار روز بعد ۷ مارچ ۱۹۲۴ء کو شریف حسین (اردن کے موجودہ شاہ حسین کے پردادا) نے خلافت کا دعویٰ کر دیا۔ وہ خلافت عثمانیہ کی طرف سے شریف مکہ مقرر تھا۔ لیکن اس نے استنبول کے خلاف بغاوت کردی اور حکومت برطانیہ کے ایجنٹ کے طور پر خلافت عثمانیہ کو شکست دینے کی برطانوی کوشش میں پورا تعاون کیا تھا۔ اس کے اس کردار کا معاوضہ اسے برطانوی خزانہ سے ۷۰ لاکھ سٹرلنگ پونڈ کی صورت میں ملا تھا۔ تاہم اس کی طرف سے خلافت کا دعویٰ سلطنت عثمانیہ کے خلاف برطانوی و صیہونی مقاصد سے متصادم تھا۔ برطانیہ اور صیہونی تحریک کی یہ جنگ صرف ترکوں کے خلاف نہیں تھی' بلکہ یہ اصل میں اسلام کے خلاف جنگ تھی۔ اس کا مقصد خلافت کو تباہ اور دنیائے اسلام کو بے بس کرنا تھا تاکہ اسرائیل کی صورت میں یہودی ریاست قائم ہوسکے اور مسلمانوں کا ایمان برباد ہوجائے۔

شریف حسین کا یہ اعلان خلافت برطانوی و صیہونی منصوبے کے لئے خطرے کا باعث تھا۔ چنانچہ انہیں کسی طرح اس سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا۔ یہ کام بڑی مکاری سے کیا گیا۔ انہوں نے عبدالعزیز بن سعود کو شریف حسین پر حملہ کی ترغیب دی۔ عبدالعزیز بن سعود اس سعودی وہابی اتحاد کا سربراہ تھا جو سو سال پہلے مختصر مدت کے لئے مکہ پر قابض رہ چکا تھا۔ عبدالعزیز نے سلطنت عثمانیہ کی تباہی میں انگریزوں کا ۱۹۱۶ء کے غیر جانبداری کے معاہدہ کے ذریعے ساتھ دیا تھا۔ اس کے لئے برطانوی خزانہ سے پانچ ہزار سٹرلنگ پونڈ ماہوار وظیفہ مقرر ہوا۔ اس نے اپنے سادہ لوح سلفی بھائیوں کو بتایا کہ یہ دراصل جزیہ

ہے!اور انہوں نے اس وضاحت کو قبول بھی کرلیا!

برطانوی اور صیہونی سیاسی منصوبہ بندی کامیاب ہوئی اور شریف حسین کی جگہ سعودی' وہابی بادشاہت کا قیام عمل میں آ گیا' جس نے خلافت کو بحال نہ ہونے دیا۔ یہ منصوبہ سادہ مگر نہایت ذہانت پر مبنی تھا۔ کسی شخص کے لئے خود کو خلیفہ تسلیم کروانا اور اپنی خلافت کو درست ثابت کروالینا ممکن نہ تھا تاوقتیکہ اس کا حرمین اور حج پر کنٹرول نہ ہوتا۔ حرمین اور حج پر کنٹرول حاصل کرنے میں کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ مغربی افواج کی مدد اور حمایت کے بل پر عرب میں سعودی حکومت کا تسلط ہے اور سعودی وہابی کبھی اتنے بیوقوف نہیں ہو سکتے کہ خود خلافت کا اعلان کریں۔ آخر شریف حسین کے ساتھ جو کچھ ہوا' اس کا مقصد تنبیہ ہی تو تھا۔ یہ تنبیہ موثر ثابت ہوئی اور وہابیوں نے خلافت کا نام نہیں لیا۔ حقیقت یہ تھی اور اب تک ہے کہ خلافت بحال نہیں ہو سکتی جب تک کہ عرب مغرب کے بالواسطہ تسلط سے آزاد نہیں ہوتا اور دارالاسلام بحال نہیں ہو جاتا۔ اور اگرچہ بحالی خلافت کی جدوجہد مسلسل جاری رہنا چاہئے (جو ان شاءاللہ جاری رہے گی) تاہم یہ امکان زیادہ قرین قیاس نظر آتا ہے کہ عرب اس وقت تک آزاد نہ ہوگا جب تک کہ امام مہدی ظاہر نہ ہوں۔

جب امام مہدی ظاہر ہوں گے تو آخر انہیں بھی تو اپنی مدد کے لئے مسلمانوں کی جماعت کی ضرورت ہوگی۔ تب ایک مستند اسلامی انقلابی تحریک یا جماعت کا وجود ناگزیر ہو گا۔ اس جماعت کی ضرورت جنوبی ایشیا میں باقی دنیا کی نسبت زیادہ اہم ہے کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے جنوبی ایشیا میں ظاہر ہونے کا یہی تقاضا ہے۔ بالفاظ دیگر اس شیطانی قوت نے جو المسیح الدجال کے آنے کا راستہ ہموار کر رہی ہے' اس مخفی قوت کی اہمیت تسلیم کرلی ہے جو جنوبی ایشیا کے مسلمان موجودہ ملحدانہ دور میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی کامیاب جدّوجہد کے لئے اپنے اندر رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی عرب یا افریقی دنیا کی بجائے جنوبی ایشیا میں ظاہر ہوا۔

بحالیٔ خلافت کے لئے ایک مستند جماعت کے قیام کی اہمیت

خلافت کو بحال کرنے سے پہلے ایک جماعت کا قائم ہونا ضروری ہے۔ یہ مستند جماعت ایک ایسے امام یا امیر کی قیادت میں ہونی چاہئے جسے قرآن و سنت کا ضروری علم حاصل ہو۔ جماعت کے مستند ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جماعت کے اراکین امیر کی بیعت کریں، اور تمام معاملات میں "سمع و طاعت" کے اصول پر سختی سے کاربند ہوں جب تک کہ اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی لازم نہ آتی ہو۔ ایسی جماعت کی شدید ضرورت ہے تاکہ وہ خلافت اور دار الاسلام کی بحالی کی منظم طریقہ پر اجتماعی جدوجہد کو جاری رکھے تاکہ اسلام کا معاشرتی و معاشی و سیاسی نظام قائم کیا جاسکے۔

خلافت کی بحالی کے لئے ایک انقلابی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ترکی، پاکستان، ملائشیا اور الجزائر کی اسلامی تحریکوں کے سامنے فوری طور پر لیکن نرمی اور دلسوزی کے انداز میں اس حقیقت کو واضح کرنا چاہئے۔ ایک اسلامی جماعت اپنی مستند حیثیت کھو دیتی ہے جب وہ اپنے آپ کو لادینی ریاست میں محض ایک سیاسی جماعت کے طور پر تسلیم کروا کے ایک ایسے دستور کے تحت، جو اپنے آپ کو حاکم کل کہتا ہے، الیکشن میں حصہ لینے لگے۔ اگرچہ پاکستانی دستور میں قرارداد مقاصد موجود ہے مگر دردناک حقیقت تو یہ ہے کہ اس ریاست کے قیام کے وقت ہی سے عملاً حاکمیت اعلیٰ ریاست کو ہی حاصل رہی ہے اور یہ حق کبھی بھی اللہ تعالیٰ کو نہیں دیا گیا۔ اس لئے عملی طور پر پاکستانی دستور کے شرک اور کھلم کھلا طور پر لادینی ریاستوں کے دساتیر میں ریاست کے حاکمیت اعلیٰ کے دعویٰ کی شکل میں موجود شرک میں کوئی فرق نہیں۔

مستند جماعت کو طاقت فراہم کرنے کی جدوجہد میں مشغول رہنا چاہئے ـــــ ایسی طاقت جو کسی بھی علاقہ کو دار الاسلام کا درجہ دے کر اس پر اپنا کنٹرول قائم رکھ سکے اور پھر اس علاقہ سے حرمین اور حجاز کی آزادی کی جدوجہد کرے۔ جب ایسا ہو جائے تو گویا یہ مستند جماعت اس تاریخی عمل اور سنہری دور سے دوبارہ گزرے گی جس میں نبی اکرم ﷺ نے مدینہ میں اپنی اساس قائم کرکے مکہ مکرمہ کو آزاد کرانے کی جدوجہد کی تھی۔

یہ مستند جماعت فرقہ وارانہ اختلافات کی بھینٹ نہیں چڑھائی جا سکتی۔ اس کے برعکس اسے اسلامی عقیدہ کی اس حقیقی بنیاد پر قائم ہونا چاہئے۔ اور وسیع القلبی کی اس حکمت سے اپنا عمل جاری رکھنا چاہئے، جو درست اسلامی عقیدے کے مختلف رنگوں کے حامل مسلمانوں کو ہر طرف سے اپنی طرف مائل کر سکے۔ ایسے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے بعد ان کے ذہنوں سے واضح طور پر غیر اسلامی عقائد کو نکال دے اور باقی رہ جانے والے بے ضرر اور سطحی اختلافات کے ضمن میں برداشت اور وسیع القلبی کی روش اختیار کرے۔ اس مستند جماعت کو شیعہ مسلمانوں اور اسلامی ایران تک بھی رسائی حاصل کرنا ہوگی، اور عقیدے کا ایک ایسا مشترک بندھن تلاش کرنا ہوگا جو باہمی تعاون اور اتحاد کے ذریعے ایک مشترکہ ہدف کی جستجو کے لئے ٹھوس بنیاد بن سکے۔ یہ بالکل واضح ہونا چاہئے کہ آج کے تنگ نظر اور غیر روادار سلفی مسلمان جو اپنا بنیادی جذبہ محرکہ ابن سعود کے متشدد وہابی اخوان سے حاصل کرتے ہیں، مشکل ہی سے ایک مستند جماعت کے طور پر کام کر سکتے ہیں۔ وہ عقائد کے بے ضرر اور سطحی اختلافات کے بارے میں تو بڑا شر آمیز "جہاد" اختیار کئے ہوئے ہیں جبکہ اسلام کی حقیقت اور سچائی کو اس جھوٹ اور برائی پر جو اس وقت دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہے اور جو انسانیت پر چاروں طرف سے چھا رہی ہے (مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ) غالب کرنے کے لئے اور انسانیت کو ظلم سے آزادی دلانے کے لئے کی جانے والی اسلامی انقلابی جدوجہد کے ساتھ بڑی ڈھٹائی سے دغا بازی کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔

مستند اسلامی جماعت کو اپنے اراکین کی اخلاقی و روحانی ترقی اور تربیت و تزکیہ میں مشغول ہونا چاہئے۔ اس روحانی مقناطیسیت اور وجدانی کیفیت کے بغیر، جو قلب کی درستی ہی سے وجود میں آتی ہے، مستند اسلامی جماعت کے امراء مسلمانوں کی بڑی تعداد کو انقلابی جدوجہد میں عملی اور متحرک شرکت کے لئے کھینچ لینے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ دراصل اسی شے کی کمی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی قائم کردہ جماعت اسلامی کی کمزوریوں میں سے ایک کمزوری تھی۔ اللہ تعالیٰ جماعت اسلامی کو اس کمزوری کی تلافی کرنے کی طرف رہنمائی عطا فرمائے اور فاضل مولانا کی مغفرت فرمائے کہ اسلام کی

خدمت کے لئے ان کی عظیم مساعی کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی۔ آمین

میں نے تنظیم اسلامی کو ہو بہو ایک ایسی مستند اسلامی جماعت پایا جس نے خلافت کی بحالی اور دارالاسلام کے دوبارہ قیام کے لئے جدوجہد اختیار کی ہے' تاکہ اسلام کے معاشرتی و معاشی و سیاسی نظام کے قیام کو ممکن بنایا جاسکے۔ میں نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو بھی ہو بہو ایسا ہی امیر پایا جنہوں نے بیعت کے اصول کو لازم تسلیم کیا ہے۔ میں نے ان سے عہد کیا اور اس اسلامی انقلابی جماعت کا رکن بن گیا۔ انہوں نے واضح طور پر تنظیم اسلامی کے رفقاء کے لئے روحانی اصلاح و ترقی اور تزکیہ کا راستہ اختیار کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ تاہم اس نہایت اہم شعبہ کے لئے انہوں نے "تصوف" کی مشہور اصطلاح کی بجائے "الاحسان" کی قرآنی اصطلاح استعمال کی ہے۔ نیز انہوں نے زبانی و تحریری دونوں طرح بڑی تعظیم اور تحسین کے ساتھ اپنے ہم عصر معتبر صوفی شیوخ مثلاً مولانا عبدالعلیم صدیقی (وفات ۱۹۵۴ء) کا ذکر کیا ہے' جن کی روحانی مقناطیسیت اور تبلیغی سرگرمیوں نے ان کی چالیس سالہ طویل اور ان تھک مساعی کے دوران دنیا کے کئی خطوں میں مسلمان افراد اور برادریوں کو متحرک کیا تھا۔

علامہ اقبال اور تنظیم اسلامی

موجودہ دورِ فتن اور ملحدانہ جدیدیت میں ایک اسلامی انقلابی تحریک کے لئے علامہ اقبال کی اہمیت مندرجہ ذیل نکات سے سامنے آتی ہے :

(۱) علامہ اقبال بذاتِ خود دورِ حاضر میں اسلامی انقلاب کے سب سے بڑے نقیب اور مفکر ہیں۔ دنیا پر چھائی ہوئی جدید ملحدانہ اور بے خدا تہذیب کے چیلنج کا اسلامی نقطہ نظر سے ناقدانہ' جامع اور علمی جواب ہی اسلامی انقلابی تحریک کے لئے اقبال کا اہم ترین کارنامہ ہے۔ استدلال' معقولیت اور فراست کے ساتھ یہ جواب دیتے ہوئے علامہ اقبال دراصل سنتِ رسول ﷺ کی اتباع کر رہے تھے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دجال آپؐ کی زندگی میں ظاہر ہو گیا تو آپؐ خود اس سے عقلی جنگ لڑیں گے۔

"جب وہ (دجال) ظاہر ہو گا اور میں تمہارے درمیان موجود ہوا تو میں اس کو دلائل کے ساتھ مطیع کروں گا (شکست دوں گا) اور اگر وہ ظاہر ہو در آنحالیکہ میں تمہارے درمیان موجود نہ ہوں تو تم میں سے ہر ایک کو اس کے ساتھ مجادلہ یا بحث و تمحیص کرنا چاہئے"۔ (کنز العمال جلد ۷ حدیث نمبر ۲۰۷۶)

۲) چونکہ علامہ اقبال نے کسی دار العلوم سے روایتی مذہبی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ انہیں وہ عقلی و علمی آزادی حاصل تھی جس کی وجہ سے وہ جدید علوم کی روشنی میں قرآن مجید پر تدبر کر سکے اور قرآن میں سے سچائی (الحق) کے وہ پہلو تلاش کر پائے جن کی فی زمانہ ضرورت تھی۔ یعنی ملحدانہ جدیدیت کی علمی تردید' وغیرہ۔ ان کی یہ سعی ہراول دستے کی مانند تھی جس میں انہوں نے یہاں تک کامیابی حاصل کی کہ اسلامی دنیا کے تقریباً تمام جدید تعلیم یافتہ اہل دانش' جنہوں نے اقبال کے افکار کا مطالعہ کیا' ان کے افکار سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اگر اسلامی انقلابی تحریک کو ایسے اہل دانش مسلمانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر کے انہیں متحرک کرنا ہے تو اقبال کے ساتھ ایک حقیقی اور حرکی تعلق ناگزیر ہے۔

۳) فرقہ واریت آج کے دور میں اُمّتِ مسلمہ کو لاحق ہونے والی مہلک ترین بیماریوں میں سے ایک ہے۔ اسلامی انقلابی تحریک کو فلسفیانہ اور مذہبی طور پر ایک ایسا نقطہ نظر تلاش کرنا ہو گا جس کے ذریعے فرقہ واریت کے عفریت سے کامیابی کے ساتھ نپٹا جا سکے۔ علامہ اقبال کو یہ یکتائی حاصل ہے کہ ان کے افکار میں مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے مسلمانوں کو متحد کر کے ایک منظم قوت بنانے کا وصف پایا جاتا ہے۔ ایسے مسلمان جو روایتی تعلیم یافتہ ہیں اور ایسے مسلمان جنہوں نے جدید لادینی تعلیم حاصل کی ہے اور ایسے مسلمان جو اپنے مذہبی خیالات میں دلائل اور عقلیت کی طرف مائل ہیں اور ایسے مسلمان جو روحانیت اور تصوف کی طرف رجحان رکھتے ہیں وہ سب کے سب اقبال کے افکار میں اپنے مخصوص رجحانات سے متعلق ہمدردانہ' مستند اور مدلل خیالات پائیں گے۔

۴) اقبال کے افکار کی بدولت اسلامی انقلابی تحریک اقامت دین کی جدوجہد کے روحانی

پہلو سے کماحقہ سرشار ہو سکتی ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر رومیؒ نہ ہوتے تو اقبال بھی پیدا نہ ہوتا۔ لاہور جانے کا راستہ قونیہ (جہاں مولانا جلال الدین رومیؒ کا مزار واقع ہے) سے ہو کر گزرتا ہے۔

تنظیم اسلامی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جدیدیت کے حوالے سے اس کا زیادہ تر فیضان اور جذبہ عمل اقبال سے مستعار ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اقبال روایتی معنوں میں ایک عالم نہیں تھے' کیونکہ انہوں نے مروجہ اسلامی علوم کی روایتی مذہبی درسگاہوں میں تحصیل نہیں کی تھی' لیکن یہی تو ایک خاص وجہ ہے کہ اقبال وہاں کامیاب ہو گئے جہاں (اس طرح کی تعلیم رکھنے والے) بہت سے لوگ ناکام ہو گئے تھے (یعنی ملحدانہ جدیدیت کا محاذ)۔ علامہ اقبال کی لاثانی کامیابی ان کا حکمت قرآن کو سمجھنے اور واضح کرنے کا وہ طریقہ ہے جس کی بدولت وہ ملحدانہ جدیدیت کے پیدا کردہ بحرانوں کا کلام اللہ کی بنیاد پر شاندار' متحرک اور موزوں جواب دے سکے۔ اس اعتبار سے علامہ اقبال نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خیالات پر اس قدر گہرا' قوت آفریں اور حقیقی اثر کیا جتنا محمد علی جناح یا مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ پر نہیں ہوا تھا۔ اس لئے یہ تنظیم اسلامی ہی ہے' نہ کہ جنوبی ایشیا کی کوئی اور اسلامی تحریک' جسے صحیح طور پر اقبال کے محنت اور محبت سے بوئے گئے انقلابی بیج کا پہلا اور مستند پھل قرار دیا جا سکتا ہے۔

اگر ہمارا یہ ادراک صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تنظیم اسلامی میں پنپنے کی بے پناہ مخفی قوت اور صلاحیت موجود ہے اور یہ جنوبی ایشیا کی سب سے بڑی اور نمایاں اسلامی تحریک بنے گی۔ جب ایسا ہو گا تو ان شاء اللہ یہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مؤسسِ تنظیم اسلامی کی بصارت' حوصلہ' دیانت اور صدق کا ایک فصیح و بلیغ ثبوت اور اس کی تائید ہو گی۔

لیکن اگر تنظیم اسلامی کو جنوبی ایشیا اور شمالی امریکہ کے اہل دانش مسلمانوں کی اکثریت کی تائید حاصل کرنا ہے' اور اگر اسے ایک ایسی جماعت کی حیثیت سے ابھرنا ہے جس نے اقبال کی اسلامی انقلابی جدوجہد کا مشن ورثہ میں پایا ہے تو تنظیم اسلامی اور اس کے امیر کو علامہ اقبال کے ملحدانہ اور بے خدا جدیدیت کے مستند اور پُر مغز اسلامی رد کو

مزید واضح کرنے کے لئے بہت جانفشانی سے کام کرنا ہو گا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی "Ideology of the Future" اور اس سے بڑھ کر ڈاکٹر محمد فضل الرحمٰن انصاری کی "Qur'anic Foundations and Structure of Muslim Society" کو علامہ اقبال کے قابل اور ممتاز شاگردوں کی وہ قابل قدر مساعی قرار دیا جاسکتا ہے جو انہوں نے اقبال ہی کی جلائی ہوئی شمع کو مزید روشن کرنے اور علم کی سرحدوں کو وسیع تر کرنے کے لئے انجام دی۔

تنظیم اسلامی نیویارک میں "انسٹیٹیوٹ آف قرآنک وِزڈم" قائم کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ مزید برآں یہ شمالی امریکہ میں نوجوان' ذہین' تعلیم یافتہ اور بہت زیادہ فعال مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کر رہی ہے۔ ان میں سے ایک باسط بلال کوشل ہیں جو اس وقت ڈریو یونیورسٹی (نیو جرسی) میں اپنے Ph.D کے مرحلہ میں ہیں۔ یہ حقیقت اس صداقت کو مزید مبرہن کرتی ہے کہ تنظیم اسلامی ایک سنجیدہ اسلامی انقلابی تحریک اور جماعت ہے۔ اور یہ ہر اس مسلمان کی طرف سے جس کا دل احیائے اسلام کی تمنا رکھتا ہے' ایک سنجیدہ ردعمل کی حق دار ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے تنظیم اسلامی کی طرف میری رہنمائی کی اور اس فاضل عالم دین تک مجھے پہنچایا جو تنظیم اسلامی کے امیر ہیں! تنظیم اسلامی میرے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے جس کے لئے میں اس (اللہ تعالیٰ) کا بے پناہ شکر گزار ہوں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ تنظیم اسلامی باذن اللہ ان مسلمانوں کے لئے بھی تحفہ اور نعمت ثابت ہو جو اس مضمون کو مکمل توجہ سے پڑھیں گے۔ اور ایک دن وہ بھی اللہ تعالیٰ کا اس توفیق کے لئے شکر ادا کریں گے۔ آمین

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اسلام کے بعد کا دور

بسلسلہ علامہ اقبال اور مسلمانانِ عجم (۸)

ڈاکٹر ابو معاذ

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۚ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ ﴾ (آل عمران : ۱۰۲۔۱۰۵)

"اے ایمان دار لوگو! اللہ سے اسی طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تمہیں جب موت آئے تو صرف حالتِ اسلام ہی میں آئے۔ اور اللہ کی رسّی کو اجتماعی طور پر مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ بندی میں پڑ کر بکھر نہ جانا' اور اپنے آپ پر (نازل ہونے والی) اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس کی دشمنیوں میں مگن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں محبت کی لو روشن کر دی' پھر اسی نعمت کے باعث تم میں بھائی چارے (یعنی مواخات) کی عظیم صبح طلوع ہو گئی۔ ایک وقت تھا جب تم آگ کی گہری کھائی کے دہانے پر پہنچ چکے تھے' پھر اس نے تمہیں اس سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت کی راہ اختیار کر سکو۔ اور تم میں سے ایک

گروہ ایسا بھی ہونا چاہئے جو بھلائی کے راستوں کی طرف رہنمائی کر سکے اور برائی سے روکے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے کامیابی و کامرانی (کی نوید) ہے۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور واضح نشانیاں ظاہر ہونے کے بعد بھی باہم اختلافات کا شکار ہو گئے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کیلئے بہت بڑا عذاب آنے والا ہے"۔

قرآن پاک کی ان آیات کی تلاوت اور ترجمہ کے بعد ناچیز یہ عرض کرنا چاہے گا کہ فروعی اختلافات کو اگر اصلِ اسلام پر حاوی کر دیا جائے تو حقیقت خرافات میں گم ہو جاتی ہے۔ رومی نے کیا خوب کہا ہے ؎

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش
اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش

(اے کہ تمہیں خفی اور جلی (یعنی اصل اور فروع) کی اہمیت کا احساس نہیں ہے، تو ہوش کے ناخن لے اور اے وہ شخص جو ابوبکرؓ اور علیؓ میں الجھ کے رہ گیا ہے، ہوش میں آجا!)

علّامہ اقبال نے فرمایا ہے ؎

بہ مصطفیٰؐ برسان خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

(رسول اللہؐ تک پہنچ جاؤ کہ دین تمام کا تمام وہیں ہے۔ اگر آپؐ تک نہ پہنچ سکنے کے باعث اِدھر اُدھر الجھ کے رہ گئے تو پھر ابولہب کے عقائد میں الجھ کے رہ جاؤ گے۔)

یہاں پر ابولہب کے عقائد سے مراد رجعت پسندی، جمود، قدیم اور غلط روایات پر ضد کرنا، قبائلی اور نسلی تضادات میں الجھ کے رہ جانا اور حقیقت کے واضح طور پر روشن ہونے کے بعد ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔ ایک بار پھر شاعرِ مشرقؒ کی زبانی عرض کرتا ہوں ؎

ملّتِ بیضا تن و جاں لا الٰہ — سازِ ما را پردہ گرداں لا الٰہ
لا الٰہ سرمایۂ اسرارِ ما — رشتہ اش شیرازۂ افکارِ ما
ملّت از یک رنگیٔ دلہا ستی — روشن از یک جلوۂ سینا ستی
قوم را اندیشہ ہا باید یکے — در ضمیرش مدّعا باید یکے
ما مسلمانیم و اولادِ خلیل — از "اَبیکُم" گیر اگر خواہی دلیل

تدعائے ما مآلِ ما یکیست طرز و اندازِ خیال ما یکیست
ما ز نعمت ہائے او اخواں شدیم یک زباں و یک دل و یک جاں شدیم

(ملتِ بیضا اگر جسم ہے تو اس کی روح لا الٰہ یعنی توحید کی قوت ہے۔ ہمارے ساز کی تاروں اور پردوں کو چلانے والی قوت بھی لا الٰہ ہے۔ ہمارے تمام اسرارِ نہاں یعنی خفیہ رازوں کی دولت لا الٰہ ہے اور یہی وہ رشتہ اور تعلق ہے جس نے ہماری سوچوں کو اکٹھا کر کے ایک وحدت میں سمو رکھا ہے۔ ہماری قوم کے اتحاد کا راز دلوں کے ایک ہی رنگ میں رنگے جانے میں ہے۔ ایک ہی جلوۂ طورِ سینا سے ہماری روشنی ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور "مِلَّةَ اَبِیکُمْ اِبْرَاهِیمَ" کے مصداق ایک ہی سرچشمہ یعنی دینِ ابراہیمی سے ہماری دلیل ہے۔ ہمارا مقصد اور ہماری آرزوئیں ایک ہیں۔ ہمارا طرزِ حیات' انداز فکر اور خیالات ایک ہی ہیں۔ ہم توحید کی نعمتوں کے باعث بھائی بنے ہیں (یہ متذکرہ بالا آیت آل عمران : ۱۰۳ کی طرف اشارہ ہے) اور اسی وجہ سے ہم ایک زبان ایک دل ایک جان ہوئے ہیں۔)

ایک اور موقع پر آپ فرماتے ہیں ؎

رومیاں را گرم بازاری نماند آں جہانگیری جہانداری نماند
شیشۂ ساسانیاں در خوں نشست رونقِ میخانۂ یوناں شکست
مصر ہم در امتحاں ناکام ماند استخوانِ او تہ اہرام ماند
در جہاں بانگِ اذاں بود ست و ہست ملّتِ اسلامیاں بود ست و ہست
عشق از سوزِ دلِ ما زندہ است از شرارِ لا الٰہ تابندہ است

(رومی بادشاہت کا عروج ختم ہو گیا۔ ان کی بادشاہت کے آئین و دساتیر اور فاتحانہ سرگرمیاں قصۂ پارینہ بن گئیں۔ ایران کی عظیم ساسانی شاہنشاہت کی عظمت کے نقوش ان کے اپنے ہی خون کی ندیوں میں بہہ گئے۔ یونان کی تہذیب اور فلسفے کی بوقلمونیاں اور موشگافیاں مٹ گئیں۔ مصری بھی اپنی ہیبت اور جلال برقرار رکھنے میں ناکام ہو گئے اور فرعونوں کی ہڈیاں اہرام کی گہرائیوں میں عبرت کا نشان بن گئیں۔ اگر کچھ باقی ہے تو اذاں کی آواز ہے اور رہی ہے۔ مسلمانوں کی امت ابھی تک زندہ رہی ہے' اور ہے۔ عشق ہمارے دل کے سوز کے باعث زندہ ہے اور اس کی چمک دمک اور فروغ لا الٰہ کی چنگاریوں کے باعث ہے۔)

اسی طرح آپ فرماتے ہیں ؎

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

یہاں پر ہمارے مدِّ نظر فی الحال علامہ اقبال کے فلسفہ اور فکر کو بیان کرنا نہیں بلکہ آپ کے سامنے مسلمانوں کے ان گروہی اور فروعی اختلافات کی تصویر کھینچنا ہے جو امتدادِ زمانہ کے باعث فروغ پاتے چلے گئے اور ہم مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔

مجھے ڈاکٹر اسرار احمد مدّ ظلّہ العالی کے خیالات سے کاملاً اتفاق ہے کہ اسلام میں دو ہی فرقے ہیں، ایک سُنّی اور ایک شیعہ، باقی تمام مکاتب فکر ہیں۔ بدقسمتی سے کم علمی اور کبھی کبھی کم عقلی کے باعث ایک دوسرے پہ کفر کے فتوے لگانا کچھ لوگوں کا شعار رہا ہے مگر اجتماعی طور پر سُنّی اور شیعہ ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں اور سمجھتے رہیں گے۔ آج مجھے حکم ملا ہے کہ میں تشیع کی اصل صورت آپ کے سامنے پیش کروں۔

شیعیت کی ابتدا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اسلام کے لئے عظیم خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ بقول قابل قدر شیعہ علماء کے آپ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاں پرورش پائی اور بچپن میں ہی اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے باعث سبقت حاصل کی۔ آپ ؓ کو آنحضور ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کے موقع پر اپنے بستر پر لٹا کر مدینہ کی راہ لی اور اپنے کئی دنیاوی امور آپ ؓ کے سپرد کئے کہ وہ ان کو نمٹانے کے بعد مدینہ کی جانب سفر فرمائیں۔ پھر اپنی سب سے لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور ؐ نے آپ ؓ کے نکاح میں دے دیا۔ معرکہ ہائے حق و باطل میں حضرت علی ؓ پیش پیش رہے اور خیبر کی فتح کا سہرا آپ ؓ کے سر رہا۔ حضور ﷺ کے گھرانے سے محبت کرنے والوں کی نظر میں حضرت علی ؓ، حضرت فاطمہ ؓ، حضرت حسن ؓ، حضرت حسین ؓ، اور حضرت زینب ؓ سے عقیدت ایک فطری امر ہے۔ ان تمام امور میں سُنّی اور شیعہ مسلمانوں میں کہیں بھی اختلاف نظر نہیں آتا۔ بلکہ حُبِّ اہل بیت کا اظہار پانچ نمازوں میں ہر دوسری رکعت میں

درود سے ہوتا ہے جس میں آلِ محمد ﷺ پر درود اور برکات بھیجے جاتے ہیں۔ بعض سُنّی زعماء (مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، علامہ وحید الزمان حیدر آبادی اور علامہ اقبال کسی حد تک) حُبِّ علی اس حد تک بڑھ کر بیان فرماتے ہیں کہ ان اصحاب کا اظہار عقیدت جمہور سُنّی علماء سے کسی حد تک مختلف ہو جاتا ہے۔ حضرت علامہ اقبال نے اپنے وصیت نامہ میں ہرچند خود کو حنفی سنی قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی اہل بیت کی محبت کا اظہار بلند آہنگ سے فرمایا ہے اور کسی قسم کی لگی لپٹی نہیں رکھی۔

آنحضور ﷺ نے اپنا مشن مکمل کر لیا تو آپؐ بھی اس جہان فانی سے بتقاضائے بشریت رخصت ہو گئے۔ شیعہ احباب کے خیال میں آنحضور ﷺ نے ۱۰ھ میں حضرت سلمان فارسیؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوذر غفاریؓ اور دیگر اصحاب کی موجودگی میں حضرت علیؓ کو اپنا جانشین نامزد فرمایا۔ اس دن کو عید غدیر کے طور پر منایا جاتا ہے۔ یہ دن عید الاضحیٰ کے بعد ذوالحجہ کے مہینہ میں آتا ہے۔ مگر جمہور اہل سُنّت کے ہاں ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ آنحضور ﷺ کی رحلت کے موقع پر حضرت علیؓ کو ثقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت کے امیدوار کے طور پر پیش کیا گیا مگر اکثریت کی رائے کے مطابق حضرت ابوبکرؓ منتخب ہو گئے۔ پہلے چھ ماہ ہرچند حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے اعراض فرمایا مگر حضرت فاطمہ الزہراءؓ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کی کوششوں سے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت فرمالی۔ اس دوران بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت اور سرکاری کنٹرول کو تسلیم کیا گیا۔ اسی دوران حضرت فاطمہؓ باغ فدک کے مسئلہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاں تشریف لے گئیں اور مسئلہ پیش کیا مگر آپؓ نے جس انداز سے معاملے کی وضاحت فرمائی حضرت فاطمہؓ بغیر کسی مزید استدلال اور دعویٰ کے واپس تشریف لے آئیں۔

ازاں بعد حضرت علیؓ نے اصحابِ ثلاثہ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے ادوار میں کبھی بھی اپنے استحقاق کی بات نہیں چھیڑی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے سفر فلسطین (فتح بیت المقدس) کے موقع پر آپ قائم مقام خلیفہ کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی شہادت کے موقع پر خلافت کے

انتخاب کے لئے جس کمیٹی کا اعلان کیا، اس میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے۔ عملی اعتبار سے کوئی بھی ایسا موقع نظر نہیں آتا جہاں تاریخ کے اوراق میں حضرت علیؓ اصحابِ ثلاثہ کی حکومت یا اقتدار کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے نظر آئے ہوں۔

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت (۲۵ ذوالحجہ ۳۵ھ) کے بعد آپ خلیفہ چہارم کے مقام پر فائز ہوئے۔ ہرچند کہ آپ کی خلافت کے دوران جنگِ جمل اور جنگِ صفین کی صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلافات ابھرے مگر اہل سنّت کے تمام ذی شعور حلقے اجتماعی طور پر حضرت علیؓ کی فضیلت اور خلافت بطور خلیفہ چہارم کے استحقاق کے قائل ہیں۔ سیاسی مصلحت کے باعث آپ نے دارالخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ منتقل کرلیا اور پھر پانچ برس اور تین ماہ کی خلافت کے بعد خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم کے ہاتھوں ۴۰ھ میں شہید ہوگئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بعض سیاسی امور پر اختلافات ضرور ابھرتے رہے ہیں مگر ہم لوگ "خطائے بزرگاں گرفتن خطاست" کے مصداق ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ان تمام اصحابِ رسولؐ کی عظمت کے قائل ہیں جنہیں آنحضور ﷺ کا دیدار اور آپؐ کا ساتھ نصیب ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم حضرت علیؓ کی عظمت کو سلام کہتے ہیں۔

آپ کے صاحبزادے حضرت حسنؓ نے ایک برس کی خلافت کے بعد حضرت امیر معاویہؓ سے مصالحت کے بعد خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ پھر جب یزید بن معاویہ کی موروثی حکومت کے قیام کے دوران حضرت حسینؓ نے بیعت سے انکار فرمایا تو اس قضیہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی بیعتِ یزید سے پہلو تہی فرمائی۔ گویا پہلے دونوں خلفاء کے صاحبزادوں کا موقف بھی حضرت حسینؓ (فرزندِ خلیفہ چہارم) سے مختلف نہیں تھا۔ تاہم اہل کوفہ کی درخواست پر حضرت حسینؓ نے جب بیعتِ خلافت کے لئے کوفہ کا رخ کیا تو سانحہ کربلا پیش آیا جس میں حضرت حسینؓ اور آپ کے تمام مَرد ساتھی (ماسوائے حضرت زین العابدینؒ) کے شہادت کے مقام پر سرفراز ہوئے۔ علّامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر

"اللہ کی شان دیکھئے کہ باپ (حضرت علیؓ) بسم اللہ کی "ب" کے طرح عظیم تھے اور حضرت اسماعیلؑ کی طرح بیٹا (حضرت حسینؓ) ذبح عظیم (قرآن پاک کی آیت سے اقتباس ہے) کی صورت میں قربانی کا اعلیٰ نمونہ بن گئے"۔

۱۰ محرم ۶۱ھ کا سانحہ کربلا دلوں پر گہرے نقوش چھوڑ گیا۔ شہادت کے کچھ ہی عرصہ بعد مختار ثقفی نے کوفہ پہنچ کر قاتلینِ آل بیت کو چن چن کر مارا اور مرے ہوؤں کی ہڈیاں بھی قبروں سے نکال لیں۔ یہ حامیانِ آل بیت کا پہلا انتقام تھا۔

حضرت حسینؓ کا نکاح آخری ساسانی فرمانروا یزدگرد سوم کی بیٹی شہزادی شہربانوؒ سے ہوا تھا۔ اس طرح شاہی خاندان سے تعلق کے باعث آپ ایرانی شاہ پرستوں کی نظر میں اور بھی گرامی قدر اور عزیز ٹھہرے۔

علویوں کی حکومتیں

ہشام بن عبدالملک اُموی (۱۰۱ تا ۱۰۵ھ) کے زمانہ میں حضرت زین العابدینؒ کو حامیان اہلِ بیت نے خلافت کے حصول کے لئے جدّوجہد کرنے کو کہا مگر آپ نے دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ پھر لوگ حضرت علیؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہ (جو غیر فاطمی تھے) کی جانب راغب ہوئے اور آپ کی بیعتِ خلافت کر لی۔ آپ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے ابو ہاشم کی بیعتِ خلافت کی اور عراق و خراسان میں دعوت کو فروغ دیا۔ ابو مسلم خراسانی بھی اس دعوت میں شریک ہو گیا۔ مگر جناب ابو ہاشم نے خلافت محمد بن علی بن عباس بن عبدالمطلب کو تفویض کر دی اور دعوائے خلافت علویوں سے عباسیوں میں منتقل ہو گیا۔ ابو مسلم خراسانی کی مدد سے اپنی حکومت مستحکم کرنے کے بعد منصور نے اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے پیش نظر اسے قتل کروا دیا۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اہل خراسان میں سے کچھ عقیدت مند اسے ذاتِ خداوندی کا مظہر قرار دیتے تھے۔

خلیفہ منصور عباسی (۱۳۶ھ - ۱۵۸ھ) کے زمانہ میں ایک بار پھر اولادِ علیؓ کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ حضرت حسنؓ کے پڑپوتے محمدؒ نے اپنی خلافت کا اعلان کر کے مدینہ کے عباسی گورنر کو قید کر لیا اور چند ہی یوم میں تمام حجاز اور یمن میں محمدؒ کو خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔

اِس موقع پر امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے بھی محمد کی خلافت کی حمایت کی۔

زبردست جنگ کے بعد ۱۴۵ھ میں منصور کے لشکر نے علویوں کو شکست سے دوچار کیا اور بیشتر مشاہیر جنہوں نے علویوں کا ساتھ دیا تھا موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ان کے گھر مسمار کروا دیئے گئے اور مدینہ میں بنو حسنؓ اور بنو حسینؓ کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ اہل مدینہ کی خصوصی رعایات ختم کر دی گئیں۔ مصر سے مدینہ آنے والی رسد روک لی گئی۔ حضرت جعفر صادقؒ نے جائیداد واپس مانگی تو انہیں قتل کی دھمکی دی گئی۔ امام ابو حنیفہؒ کو زندان میں ڈال دیا گیا اور امام مالکؒ کو کوڑے لگوائے گئے۔ حضرت امام جعفر صادقؒ ۱۴۸ھ میں مدینہ میں وفات پا گئے۔ آپ کے بیٹے حضرت موسیٰ کاظمؒ امام تسلیم کئے گئے۔ امام جعفر صادق کے بڑے بیٹے اسماعیل کی بیعت کرنے والے اسماعیلی کہلوائے اور امام موسیٰ کاظمؒ کے ماننے والے اثنا عشری کہلوائے، کیونکہ انہوں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؒ اور بعد کے ائمہ کو ملا کر بارہ اماموں کی امامت کو تسلیم کیا۔

پھر خلیفہ عباسی موسیٰ الہادی (۱۶۹ - ۱۷۰ھ) کے زمانہ میں مدینہ کے گورنر نے حضرت حسنؓ کی اولاد پر سختی شروع کر دی۔ حضرت حسنؓ کے پڑپوتے حسینؓ کی سرکردگی میں انہوں نے مقابلہ کیا مگر ناکام رہے۔ اس خاندان کے متعدد افراد موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ حسین کا چچیرا بھائی ادریس ماریطانیہ چلا گیا، جہاں بربروں کے مدد سے ادریسیہ خلافت کی بنیاد رکھی۔

خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے دور (۱۷۰ - ۱۹۸ھ) میں بحیرہ خزر (Caspian Sea) کے جنوبی ساحل پر موجود دیلم کے علاقہ میں حضرت علیؓ کے خاندان کے فرد یحییٰ بن عبداللہ نے دیلمیوں کی مدد سے خلافت کا دعویٰ کیا۔ ان کی تادیب کے لئے فضل کی قیادت میں پچاس ہزار کا لشکر بھیجا گیا مگر جنگ کی بجائے مصالحت سے یحییٰ بن عبداللہ کو بغداد لایا گیا اور وہاں پر پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا مگر یحییٰ نے ایک بار پھر حصول خلافت کی کوشش شروع کر دی۔ وہ قید ہوئے اور حالت اسیری میں وفات پا گئے۔

خلیفہ مامون الرشید عباسی (۱۹۸-۲۱۸ھ) نے پہلی مرتبہ خاندان علیؓ کی نجابت کے احترام میں حضرت امام علی الرضاؒ کو (جو مامون سے بائیس برس بڑے تھے) ۲۰۲ھ میں ولی

عہدِ سلطنت نامزد کیا اور آپؒ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے احکامات جاری کئے۔ ساتھ ہی یہ حکم بھی جاری کیا کہ اب عباسی اپنی روایتی سیاہ قبا پہننے کی بجائے اہل تشیع کی سبز رنگ کی پوشاک پہنیں گے۔ اس سے اہل تشیع تو مطمئن ہو گئے مگر عباسیوں میں بددلی پھیل گئی اور حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے گئے اور بالآخر امام علی رضاؑ کی شہادت پہ منتج ہوئے۔ روایات کے مطابق آپ کو طوس کے مقام پر زہر دیا گیا تھا۔

بعد میں طبرستان (ایران کا شمالی صوبہ جو اب مازندران کہلاتا ہے) میں ۲۵۰ھ میں علویوں نے اپنی حکومت قائم کرلی۔ حضرت امام حسنؑ کی اولاد میں سے حسین بن زید نے (جو داعی کبیر کہلواتا تھا) بنی عباس، طاہریوں اور یعقوب لیث کو شکست دے کر طبرستان، دیلم، گرگان اور رے (موجودہ تہران) پر حکومت قائم کرلی۔ پھر اس کے بھائی محمد بن زید داعی نے ۲۷۰ سے ۲۷۷ھ تک حکومت کی اور اسماعیل سامانی کے ہاتھوں قتل ہوا۔

قریباً چودہ برس بعد ۳۰۱ھ میں حضرت امام زین العابدینؒ کی اولاد میں سے ایک شخص حسن بن علی نے طبرستان پر قبضہ کرلیا اور سادات حسنی میں سے حسن بن قاسم کو گیلان کی حکومت سونپ دی۔ پھر ان کی آپس میں چپقلش جاری رہی اور حسن نے ۳۰۴ھ میں وفات پائی۔

ائمہ اثنا عشری اور شیعیت : (شیعیت کی رو سے)

اثنا عشری ائمہ میں بارہ کے بارہ اصحاب انتہائی متدین، نیک سیرت اور پرہیزگار تھے۔ حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت زین العابدینؒ، حضرت باقرؒ، حضرت جعفر صادقؒ، حضرت موسیٰ کاظمؒ، حضرت علی رضاؒ، حضرت علی نقیؒ، حضرت علی تقیؒ، حضرت حسن عسکریؒ اور حضرت محمد بن حسن عسکریؒ کے مقام اور فضیلت پر کوئی کلام نہیں ہے۔ ہمارے اثناء عشری احباب ان دوازدہ اصحاب کو معصوم، مطہر اور مامور من اللہ سمجھتے ہیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق نبوت جب اپنی انتہا کو پہنچتی ہے تو اختتام پذیر ہو جاتی ہے اور جب نبوت کا خاتمہ ہوتا ہے تو وہاں سے امامت کا آغاز ہوتا ہے، تاکہ پیغامِ الٰہی کی رسالت میں تسلسل قائم رہ سکے۔ شیعہ احباب کی اکثریت نبوت اور رسالت کو اعلیٰ

ترین مقام دیتی ہے مگر نبوت کے بعد امامتؑ کا مقام ہے۔ قریباً سوا دو سو برس تک امامت کا تسلسل جاری رہا اور پھر حضرت محمد بن حسن عسکریؒ غائب ہو گئے۔ انہیں لوگوں نے بلادِ شام میں سر من رای کی غار میں جاتے ہوئے دیکھا۔ کوئی ڈیڑھ سو برس غیابتِ صغریٰ کا دور ہے جب آپ کبھی کبھار باہر آ کر لوگوں میں ظاہر ہوتے رہے اور پھر اس کے بعد امام غائب کبھی کسی کو نظر نہیں آپائے اور یہ دور غیابتِ کبریٰ کا دور ہے۔ آپ قیامت سے قبل امام مہدی موعود کی صورت میں دوبارہ ظاہر ہوں گے اور لوگوں کی قیادت فرمائیں گے۔ یہ ائمہ معصوم و مطہر اور مامور من اللہ ہونے کے باعث اولوالامر ہیں اور ان کی اطاعت و تقلید لازمی ہے۔ جب بھی کبھی مشکل کا دور آیا ہے لوگوں نے امام غائب کو پکارا ہے اور امام غائب یا صاحب الزمان کو آواز دی ہے۔ ناچیز نے ۱۹۷۸ء میں شاہ کے آخری ایام میں ایران میں اکثر یہ اشتہار دیکھا ہے :

اے امامِ زمان کجا ہستید دنیا منتظرِ شماست!

(اے امامِ وقت آپ کہاں ہیں؟ دنیا آپ کے لئے چشم براہ ہے)

اسی طرح عربی زبان میں ہمارے ہاں شیعہ احباب کے گھروں اور دوکانوں میں ایسی تحریریں دیکھنے میں آتی ہیں۔

چونکہ اولوالامر ائمہ ہیں اور رسالت کے بعد ان کا تسلسل موجود ہے اس لئے جہاں رسالت کی انتہا اور امامت کی ابتداء (نقطہ اِتّصال) ہے وہ مقام سب سے اہم ہے۔ اس لئے آنحضور ﷺ تمام انبیاء میں افضل ہیں اور حضرت علیؓ تمام ائمہ میں افضل۔ چونکہ امام کی موجودگی میں کسی کو حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے اس لئے جو شخص بھی ان کے ہوتے ہوئے خلافت کے مقام پر فائز ہوتا ہے وہ امامِ وقت کے استحقاق کو مجروح کرتا ہے۔ زیدیوں کے ہاں (جو حضرت زید بن زین العابدین) کے پیروکار ہیں ہرچند کہ خلافت امام وقت (یعنی حضرت علیؓ) کا ہی حق تھا مگر چونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو خلافت مل گئی اور شیخین نے تمام فیصلے دینِ برحق کی رو سے کئے اس لئے وہ قابل عزت و احترام ہیں اور ان کی حکومت عملاً اور اخلاقاً تسلیم شدہ ہے۔

ایران میں قاچاری دور (۱۲۰۰ھ - ۱۳۴۴ھ) میں بھی بادشاہان قاچار یہ تسلیم

کرتے تھے کہ حکومت صرف اور صرف امام غائب کا حق ہے مگر صاحب الزمان کی عدم موجودگی میں وہ امانتاً حکومت سنبھال رہے ہیں اور جب کبھی بھی امام غائب ظاہر ہو جائیں گے وہ اسی وقت تاج و تخت ان کو سونپ کر حکومت سے دستبردار ہو جائیں گے۔ اور ہر بادشاہ اپنی تاجپوشی کے موقع پر اس امر کا حلف اٹھانے کا پابند تھا۔

صرف اور صرف امام وقت ہی قرآن کی تاویل کرسکتے ہیں اور ان کو ہی فقہ کے امور پر رائے دینے کا حق ہے۔ ان کی عدم موجودگی میں شیعیت کے ہاں متداول مذہبی نظام کے اعلیٰ ترین منصب پر فائز حضرات یعنی آیت اللہ العظمیٰ کو نائب امام کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے جو اپنے اجتہاد کی رو سے احکاماتِ شریعت کی تاویل کرسکتے ہیں۔

ائمہ اثنا عشری اور اہل سُنّت عمائدین کا رویّہ

اہل سنت وہ مسلمان ہیں جو سُنّی کہلواتے ہیں اور یا تو وہ ائمہ اربعہ (امام مالکؒ' امام ابو حنیفہؒ' امام شافعیؒ' امام احمد بن حنبلؒ) میں سے کسی کے مقلد ہیں یا غیر مقلد۔ یہ لوگ صحاحِ ستہ کی احادیث اور سنت کی روایات سے استناد حاصل کرتے ہیں۔ ان کے ہاں رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی ذات معصوم نہیں ہے۔ اپنے اپنے فقہی مسائل میں تقلید کرتے وقت وہ روزمرہ امور اور دینی احکامات کی بابت اپنے اپنے امام کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں یا اپنی فقہ کے متأخر علماء سے استناد کرتے ہیں۔

اب مسئلہ یہ رہا کہ ابتدائی دور میں ان کے ائمہ اہل بیت سے تعلقات کیسے رہے ہیں تو جیسا کہ عرض کیا گیا ہے غالی سُنّیوں (جو بہت قلیل تعداد میں ہیں) کو چھوڑ کر تمام سنی حضرات حضرت علیؓ اور آپ کے خاندان کی تہہ دل سے عزت کرتے ہیں۔ خود حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ میں اصحابِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت میں ہر طرح سے تعاون فرمایا ہے۔ اسی طرح واقعہ کربلا کی بابت بھی سنی حضرات کو حضرت حسینؓ سے عقیدت' ہمدردی اور محبت نظر آتی ہے۔ وہ کبھی بھی آپؓ پر تنقید کرنا روا نہیں سمجھتے۔

حضرت امام جعفر صادقؒ سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے خصوصی تعلقات کا پتہ چلتا ہے اور روایات کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہ نے حضرت جعفر صادق سے کسب فیض

بھی کیا ہے۔ پھر حضرت زید بن زین العابدین سے آپ کے گہرے مراسم رہے ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے حضرت زید کو خلافتِ علوی کی بحالی اور خلافتِ عباسی کے خاتمہ کے لئے کچھ رقم بھی عطا کی تھی مگر جب عملاً مدد کے لئے کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ لوگ آپؒ کا ساتھ چھوڑ جائیں گے اور ایسے ہی ہوا۔ امام زید بن زین العابدین نے فقہ پر کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام "المجموع فی الفقه" ہے۔ اس کتاب کے مندرجات پڑھ کر قاری کو معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی کتب کی تدوین میں اس سے استفادہ بھی کیا ہے۔

اسی طرح حضرت امام حسنؓ کے پوتے محمد کی مدد کے لئے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک کی مساعی کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ جس مامون الرشید نے پہلے امام علی رضاؓ کو ولی عہد نامزد کیا بعد میں (بنابہ روایات) زہر دلوا کر شہید کر دیا' اسی مامون الرشید سے حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی نبرد آزما نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر علی شریعتی کی کتاب "خطاب بہ دوستانِ آشنا" کی رو سے شیعہ مذہب میں امامت کے جو اعلیٰ ترین خصائل پیش کئے جاتے ہیں ان پر امام احمد بن حنبلؒ کی ذات گرامی پوری طرح پوری اترتی ہے۔

استحقاق خلافت کے دعویٰ میں حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے علاوہ ائمہ دوازدہ میں سے کوئی شخصیت دلچسپی لیتی ہوئی نظر نہیں آتی ماسوائے حضرت امام علی رضاؓ کے' جنہیں بطور خود مامون الرشید نے ولی عہد نامزد کیا تھا۔ علاوہ بریں خاندان علیؓ سے دیگر اصحاب خلافت کے لئے کوشش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

مزید برآں یہ بھی نظر نہیں آتا کہ حضرت علیؓ اور ائمہ اثنا عشریہ کے عقائد و اعمال میں دیگر مسلمانوں کی نسبت کوئی زیادہ فرق ہو۔ حضرت علیؓ بھی ہمیں تاریخ کے جھروکوں میں سے مسجد نبوی میں اسی طرح سب سے مل کر نمازیں پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں جیسے باقی اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ عقائد و اعمال میں اُس وقت کے اہل سُنّت اور ائمہ اثنا عشریہ میں بہت حد تک ہم آہنگی تھی۔ ہمیں کوئی ایسا واقعہ نظر نہیں آتا جہاں فریقین نے ابتدائی سوا دو سو برسوں میں (امام دوازدھم کے غائب ہونے سے قبل) کبھی بھی ایک دوسرے کی تکفیر کی ہو یا طعن و تشنیع کی ہو۔ ائمہ اثناء عشریہ کی راست بازی اور

دیانت داری سُنّیوں کے ہاں بھی ایک مسلّمہ امر رہا ہے۔

شیعہ اور سُنّی عقائد کی ہم آہنگی

دنیائے اسلام کے دونوں فرقے توحید پر یکساں ایمان رکھتے ہیں۔ غالی شیعہ حضرات کے ایک فرقہ علی الٰلھی کا ذکر ملتا ہے جو حضرت علیؓ کو خدا کا بہروز سمجھتے ہیں مگر یہ فرقہ انتہائی قلیل تعداد میں ہے اور جمہور شیعہ احباب کی نمائندگی نہیں کرتا۔

رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت اور رسالت پر مکمل ہم آہنگی موجود ہے بلکہ شیعہ حضرات آنحضور ﷺ کی اِتّباع اور سنت میں بعض امور میں زیادہ احتیاط برتتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً ان کا خیال ہے آنحضور ﷺ مسجد نبوی میں نماز پڑھتے وقت مٹی پر سجدہ ریز ہوتے تھے' اب مسجدوں میں قالین اور مصلّے بچھ گئے ہیں' مگر جی یہی چاہتا ہے کہ پیشانی مٹی پر آئے۔ اس لئے دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں' یا تو وہ باہر سے مٹی لاکر سجدہ کی جگہ پر بکھیر دیں جس سے مسجد میں گندگی پھیلنے کا احتمال ہے۔ اس لئے وہ پاک مٹی کی ٹکیہ بنا کر پیشانی کے نیچے رکھ لیتے ہیں۔

حج یا عمرہ کے موقع پر وہ عام لباس میں ہوائی سفر کرتے ہیں اور پھر بس پر بیٹھ کر میقات پر روانہ ہو جاتے ہیں جہاں سے وہ احرام باندھ کر آتے ہیں۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھ کر اونٹنی پر سفر کیا تھا اس لئے آپؐ کے سر پر کسی چیز کا سایہ نہیں تھا۔ وہ بھی حالتِ احرام میں ایسی بسوں میں سوار ہوتے ہیں جن پر چھت نہیں ہوتی۔ یہ اس کے باوجود ہے کہ بعض اوقات سخت گرمی کے باعث یہ عمل بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک پر انہیں غیر متزلزل ایمان ہے اور قرآن پاک کی ان کے ہاں وہی ترتیب ہے جو حضرت عثمان غنیؓ نے فرمائی تھی۔ قرآن پاک میں تحریف کے بارے میں کوئی بھی ثبوت مُدّعِین پیش نہیں کر پائے۔ شاہ کے زمانے میں عقوبت خانوں میں ایران کے نوجوان راتوں کو قرآن پاک کی انہی آیات کی تلاوت فرماتے تھے جو ہمارے ہاں مشکل کے مواقع پر متداول ہیں۔

نماز اور روزہ میں بھی معمولی فرق ہیں' مگر وہ بھی ایسے نہیں کہ ان ہر دو فرائض کی

بابت ہمیں مشکوک کر سکیں۔ زکوٰۃ کا جہاں تک تعلق ہے وہ اس سے انکار نہیں کرتے اور نہ ہی سونے یا جائیداد غیر منقولہ پر زکوٰۃ کے منکر ہیں۔ رقوم اور بنک ڈیپازٹ کے بارے میں ان کے سُنّیوں سے فقہی اختلافات ضرور ہیں۔

حج کے مراسم میں کوئی بھی فرق شیعہ اور سنی حضرات میں نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ اس لئے نہ ہو کہ آپؐ نے صرف ایک ہی حج کیا تھا اور آپ کو ایک لاکھ سے زائد حضرات نے دیکھا تھا اور مختلف لوگوں نے ایک جیسی روایات بیان کی ہوں گی۔ راقم الحروف کو ۱۹۹۲ء میں حج کے موقع پر فارسی زبان میں ایک کتاب ملی جو حکومتِ ایران نے حجاج کی رہنمائی کے لئے چھاپی تھی' وہ اب بھی میرے پاس ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ آپ لوگوں پر لازم ہے کہ مقامی امام کی اقتداء میں نماز ادا کریں اور جمیع مسلمانوں سے کسی موقع پر جدا نہ ہوں۔ پھر یہ بھی منقول ہے کہ آنحضور ﷺ کے روضۂ مبارک کی جالیوں سے مت چمٹیں اور دھاگے وغیرہ نہ باندھیں اور نہ ہی کوئی اور حرکت کریں۔ ایسی حرکات کا نہ تو شریعت میں جواز ہے اور نہ کوئی فائدہ' بلکہ مقامی لوگوں کی دل آزاری ہوتی ہے جو حج میں ممنوع ہے۔

علاوہ بریں نکاح کے احکام' دیوانی معاملات اور دیگر روزمرہ امور مثلاً حجاب شرعی وغیرہ میں بھی کہیں پر اصولی اختلاف نہیں ہے۔

سنت کے علاوہ احادیث میں بھی ہم آہنگی ہے۔ کتاب خطبات بہاولپور میں ڈاکٹر حمید اللہ کا خیال ہے کہ راویوں کا بے شک فرق ہے' مثلاً میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی روایت پر ایک چیز بیان کرتا ہوں وہی بات میرا شیعہ بھائی حضرت علیؓ کی روایت پر بیان کرتا ہے' تو یہ مفروضہ کہ شیعہ سنی کی حدیثوں کی کتب میں فرق ہے' غلط ہے۔ فرق صرف روایت میں ہے' حدیث کے مندرجات میں فرق نہیں۔ اب تک ایسی کوئی خاص چیز ملی بھی نہیں جس میں یہ کہا جائے کہ شیعہ کتابوں میں "الف" چیز کا حکم ہے اور سنی کتابوں میں اس کے بالکل برعکس "الف" کی ممانعت کا حکم دیا گیا ہے۔

افکار اور تصوف میں ہم آہنگی کا یہ عالم ہے کہ ہر دو کے ہاں غزالیؒ' رومیؒ' حافظؒ اور جامیؒ قابل احترام ہیں اور مشہور شیعہ فلسفی نصیرالدین طوسی سے سُنّی حضرات نے بھی

استناد کیا ہے۔ اسی طرح امام خمینی نے گورباچوف کو اپنے مشہور خط میں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے مشہور سُنّی صوفی محی الدین ابن عربیؒ کی تحریروں کا حوالہ دیا ہے۔ متاخرین میں سے جمال الدین افغانیؒ اور علامہ اقبال کو جو شہرت و مرتبہ ایران میں حاصل ہے وہ بھی اس کا ثبوت ہے۔

یہ سب کچھ مشترک ہوتے ہوئے ہر دو فرقوں کے درمیان ذہنی ہم آہنگی کا امکان اتنا مشکل نظر نہیں آتا جتنا کہ لوگ سمجھ لیتے ہیں۔

شیعہ اور سُنّی اختلافات

ہر چند کہ اختلافات فروعی اور معمولی قسم کے ہیں مگر بسا اوقات دونوں جانب سے غلو کے باعث اور ایک دوسرے کو سمجھنے میں بے خبری کے نتیجہ میں یہ سنگین صورت اختیار کر سکتے ہیں۔ اس لئے شیعہ عقائد و اعمال کا مختصر تعارف کروانا بھی ضروری ہے۔

○ توحید اور رسالت میں چنداں اختلاف نہیں ہے۔ تاہم خاندانِ نبوت کے افراد (ازواجِ مطہراتؓ اور بیٹیوںؓ) کے بارے میں عموماً ترجیحی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح تسلسلِ امامت کا تصور شیعہ عقائد میں اہم سمجھا جاتا ہے۔

○ نماز میں ہاتھ کھول کر رکھے جاتے ہیں۔ فقہ مالکی میں بھی یہی طریقہ کار اپنایا جاتا ہے۔ تاہم رفع الیدین نماز میں ہر حرکت کے ساتھ کی جاتی ہے۔ التحیات نماز میں شامل نہیں ہے۔ سلام کے لئے دائیں اور بائیں چہرے موڑنے کی بجائے تین بار رفع الیدین کیا جاتا ہے اور پھر داہنے ہاتھ کو دائیں اور بائیں حرکت دی جاتی ہے۔ جماعت میں ساتھ والے نمازیوں سے مصافحہ بھی کیا جاتا ہے۔ جمعہ کی نماز شہر میں ایک ہی جگہ ادا ہوتی ہے۔ عموماً وضو میں پاؤں نہیں دھوئے جاتے کیونکہ ایران کی عمومی مساجد میں وضو کی جگہ اتنی بلند ہوتی ہے کہ پاؤں وہاں تک پہنچ نہیں پاتے۔ اذان میں کچھ جملوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ مثلاً "اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ" "اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا حُجَّةُ اللّٰهِ" اور "حَيَّ عَلٰى خَيْرِ الْعَمَلِ"۔ ایران کے شیعہ حضرات کے برعکس برصغیر کے شیعہ احباب "اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّ خَلِيفَةُ رَسُولِ اللّٰهِ بِلَافَصْلٍ" کا جملہ بھی شامل کرتے ہیں۔

○ روزہ میں انتہائے سحر اور آغازِ افطار کا وقت بالترتیب قدرے جلدی اور دیر سے ہوتا ہے۔

○ کرنسی نوٹ اور بینک ڈپازٹ پر زکوٰۃ نہیں دی جاتی۔

○ بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کو ایک ہی تصور کیا جاتا ہے۔

○ مُتعہ (عارضی شادی) کو جائز سمجھا جاتا ہے اور اس میں کسی معذرت سے کام نہیں لیا جاتا۔ اس سلسلہ میں نائلہ حائری کی کتاب نے چونکا دینے والے انکشافات کئے ہیں۔ انقلاب کے بعد جب وسیع پیانے پر سزائے موت دی گئی تو نوجوان باکرہ لڑکیوں کو سزائے موت دینے کے سلسلہ میں ہچکچاہٹ کا اظہار ہوا۔ چنانچہ یہ پالیسی اپنائی گئی کہ پہلے مُتعہ کے ذریعہ انہیں چند گھنٹے کے لئے شادی شدہ کر دیا جائے اور اس کے بعد انہیں سزائے موت دی جائے۔ اس موضوع پر اس موقع پر مزید روشنی ڈالنا قرین مصلحت نہیں ہے۔ آیت اللہ حاجی کاظم شریعت مداری کے بقول متعہ کے حکم کو خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے منسوخ کیا تھا جس کا انہیں اختیار نہیں تھا۔

○ چونکہ شیعہ احباب کی اکثریت اصحابِ ثلاثہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ) کو امامِ وقت (حضرت علیؓ) کی موجودگی میں قیادت کا حق دار نہیں سمجھتے اس لئے ان کی بابت ناگواری کا تاثر ابھرتا ہے جو مختلف صورتیں اختیار کر لیتا ہے۔ بعینہ ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہؓ کی بابت بھی ایسا ہی خیال ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ تصورات زیادہ تر صفوی دور کے بعد شیعہ عقائد میں شامل ہوئے ہیں۔ اس بارے میں کبھی کبھی غلو سے کام بھی لیا جاتا ہے جس سے صورت حال مکدر ہو جاتی ہے۔ باغ فدک کے مسئلہ کو بھی اچھال کر اصحاب ثلاثہ پر اہل بیت کی حق تلفی کا الزام لگایا جاتا ہے۔ روشن فکر شیعہ حضرات بتدریج ایسے معاملات میں احتیاط سے کام لے رہے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ بہتری کی صورت پیدا ہوتی چلی جائے گی۔

یہاں یہ یاد رہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد کبھی کبھار زبردست اختلافات پیدا ہو جاتے تھے اور نوبت جنگِ جمل،

(باقی صفحہ ۸۱ پر)

طلاق

اسباب ـــــ اور ـــــ تدارک

ـــــ از : ڈاکٹر نور احمد شاہتاز ـــــ

پاکستان میں اگرچہ طلاق کے واقعات کا تناسب اتنا نہیں جتنا کہ دیگر ممالک (خصوصاً عرب ممالک) میں ہے تاہم کچھ عرصہ سے طلاق کے واقعات میں قدرے اضافہ ہوا ہے۔ مشرقی لڑکیاں طلاق کا باعث عموماً بہت کم بنتی ہیں کیونکہ ان کے ذہن میں یہ بات بخوبی بیٹھ چکی ہوتی ہے کہ طلاق کی صورت میں ان کا مستقبل تاریک ہوگا اور معاشرہ میں نکاح ثانی کو جن نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اس کی بناء پر بھی کوئی پاکستانی لڑکی کوئی ایسی غلطی نہیں کرتی جس سے اس کا سہاگ اجڑ جائے۔ پھر تاخیر سے رشتہ طے ہونے اور مناسب رشتہ کے انتظار میں جس ذہنی اذیت سے ایک بار ایک لڑکی دوچار ہو چکی ہو وہ دوبارہ اس قسم کی صورتحال سے دوچار ہونے کے لئے کوئی خطرہ مول نہیں لیتی کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اب معاملہ پہلے سے بھی دشوار تر ہوگا۔

ہمارے معاشرہ میں لڑکیاں سسرالی گھر میں وہ سب کچھ برداشت کر لیتی ہیں جن کی اپنے گھر میں انہیں ہوا بھی نہیں پہنچی ہوتی اور جس کا انہوں نے کبھی خوابی منظر بھی نہیں دیکھا ہوتا۔ وہ اپنے شوہر کے علاوہ اپنے سسر' ساس اور دیگر تمام سسرالی رشتہ داروں کی مقدور بھر بلکہ اس سے بھی زیادہ خدمت گزاری قبول کرتی ہے اور اس کے عوض صرف شوہر کی توجہ اور پیار چاہتی ہے جو کہ بہت کم کے حصہ میں آتا ہے۔

ہمارے معاشرہ کی دیگر امور میں افراط و تفریط کے ساتھ ساتھ ایک قباحت یہ بھی ہے کہ اکثر گھرانوں میں بہو ہی کو گھر کے سارے کام کاج کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے اور بہو کے گھر آتے ہی گھر کی خواتین سکھ کا سانس لینا چاہتی ہیں اور یہ سمجھنے لگتی ہیں کہ بس اب ان

کے کام کاج سے ریٹائر ہونے اور آرام کرنے کا مرحلہ آگیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یہ توقع رکھتی ہیں کہ ان کی بہو سب سے پہلے بیدار ہو اور گھر کی صفائی اور ناشتہ کی تیاری سے فارغ ہو کر دیگر لوگوں کو جگائے اور ان کی آنکھ کا تارا کہلائے' رات کو وہ سب سے آخر میں سوئے اور کسی کی بات پر اف تک نہ کہے۔ بہو گھر میں لائی جانے والی ایک ایسی دیومالائی شخصیت ہونی چاہئے کہ جس سے گھر کے چھوٹے سے بڑے تک ہر فرد چھوٹا بڑا ہر کام کہہ سکے اور اس کو انکار کی جرأت نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے اپنے کوئی مطالبات نہ ہوں اور نہ ہی وہ اپنی کسی خواہش کا دبے لفظوں میں بھی ذکر کرے۔ اسے جو کھانے کو دیا جائے کھالے اور جو پہننے کو ملے پہن لے۔ اس کی پسند ناپسند کا کوئی تذکرہ نہیں۔ وہ اپنی مرضی سے اپنے شوہر کے ساتھ بھی کہیں نہ جائے۔

بعض گھرانوں میں بہو پر اس قدر ذہنی دباؤ ہوتا ہے کہ وہ بے چاری جس کام کو بھی خلوص دل اور نیک نیتی سے انجام دینا چاہتی ہے اس میں کوئی نہ کوئی قباحت گھر والوں کو نظر آ ہی جاتی ہے۔ چنانچہ بسا اوقات صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے اور ساس بہو' نند بھاوج اور دیور بھاوج کے جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور اس قسم کے جھگڑے بڑھتے بڑھتے نوبت طلاق تک جا پہنچتی ہے۔

لیکن طلاق کا سبب صرف گھریلو جھگڑے نہیں بلکہ یہ ان اسباب میں سے ایک ہے۔ اس کے علاوہ متعدد ایسے اسباب ہیں جو طلاق کا موجب بنتے ہیں۔ ان میں سے بعض اسباب ایسے ہیں جو معاشرہ میں وبا کی طرح پھیل کر عام ہو چکے ہیں۔ ان اسباب کا تدارک ہم سب کی معاشرتی ذمہ داری ہے۔

اب ہم طلاق کے بعض عمومی اور اہم اسباب کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۱ ۔ زوجین میں سے کسی ایک یا دونوں کا شریعت کے مقرر کردہ اصولوں سے انحراف وہ سب سے بڑا سبب ہے جو طلاق کے اسباب میں عموماً سرفہرست نظر آتا ہے۔ متعدد جوڑوں میں طلاق کی نوبت ایسے ہی کسی سبب سے آتی ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ طلاق کے ۷۰ فیصد واقعات میں یہی سبب موجود ہوتا ہے تو مبالغہ نہ ہو گا۔ مثلاً ایک خاتون اپنے شوہر سے پریشان ہیں اور طلاق حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کا شوہر

نشہ کرتا ہے اور مے نوشی یا ہیروئن کا عادی ہوتا جا رہا ہے۔ کوئی خاتون اس لئے شوہر کی طرف سے دلبرداشتہ ہیں کہ ان کے شوہر نامدار نشہ کے عادی ہو کر یا بری سوسائٹی کا شکار ہو کر بے روزگار ہو گئے ہیں اور گھر میں بچوں کے لئے کچھ نہیں۔ خاتون خود کام کاج کر کے بچوں کا پیٹ پال رہی ہے اور اپنی عزت داؤ پر لگائے ہوئے ہے۔ اس کے علاوہ اس طرح کے واقعات اخبارات کی زینت بنتے رہتے ہیں جیسا کہ حال ہی میں ہدایت بی بی کا شائع ہوا جس کا شوہر اس سے بدکاری کرانا چاہتا تھا۔ اس غیرت مند خاتون نے گوارا نہ کیا اور بے غیرت پولیس افسر اور دیوث شوہر کا کام تمام کر دیا۔

کبھی کسی شوہر سے شکایت سننے کو ملتی ہے کہ بیوی صرف بے نماز ہی نہیں فلموں کی رسیا ہے اور گھر کے معاملات و عبادات سے اسے قطعاً کوئی سروکار نہیں۔ رات بھر ٹی وی، وی سی آر کے سامنے گزارنا اور صبح نصف النہار تک سوئے رہنا عام معمول ہے۔ سمجھانے بجھانے سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا بلکہ معاملہ مزید بگڑ رہا ہے۔ اس طرح کی شکایات عموماً اس حلقے سے ملتی ہیں جسے ہمارے ہاں اونچی سوسائٹی کے لوگوں کا حلقہ کہا جاتا ہے اور جو عرف عام میں پڑھا لکھا طبقہ کہلاتا ہے۔

۲ ۔ دوسرا بڑا سبب غصہ ہے ـــــ اور غصہ بھی کسی معقول بات پر نہیں بلکہ بہت ہی معمولی معمولی باتوں پر۔ اور کبھی یہ غصہ اس قدر شدید ہوتا ہے کہ مرد لفظ "طلاق" کا استعمال کر بیٹھتا ہے اور پھر غصہ فرو ہونے پر لوگوں سے مسئلہ دریافت کرتا اور علماء سے غصے میں دی گئی طلاق کو طلاق نہ ہونے کا فتویٰ حاصل کرنے کے لئے مارا مارا پھرتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو فتویٰ اور مسئلہ کی دریافت کا تکلف نہیں کرتے، محض اپنے اجتہاد یا عزیزوں، رشتہ داروں یا آس پڑوس اور دوست احباب کے اس مشورہ کو صائب جانتے ہیں کہ غصے میں دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ چنانچہ دونوں ازدواجی زندگی گزارتے اور زناکاری کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔

بسا اوقات لڑائی جھگڑے اور روز روز کی تو تکار سے تنگ آ کر خاتون طلاق کا مطالبہ کر بیٹھتی ہیں اور میاں بھی اسے عزت نفس کا مسئلہ سمجھتے ہوئے طلاق دے ڈالتے ہیں اور پھر اہل علم سے رجوع کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ طلاق تو ہو گئی۔ چنانچہ اب حلالہ کا مکروہ ترین

عمل کرنے پر بھی زوجین راضی ہوتے ہیں اور کسی بھی صورت ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہتے۔

۳ ۔ تیسرا سبب زوجین کے اہل خاندان میں سے کسی کا ان کی پرائیویٹ زندگی میں مخل ہونا ہے۔ بسا اوقات یہ مداخلت لڑکی کے والدین اور کبھی لڑکے کے والدین میں سے کسی کی طرف سے ایسی ہوتی ہے جو زوجین میں سے کسی ایک کو سخت ناگوار گزرتی ہے اور اس سے تلخیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اصلاح اور نصیحت کی خاطر پند و موعظت کے انداز میں کبھی کبھار کچھ کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں، مگر اس میں بھی یہ امر پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ دونوں میں سے کسی کو بھی دوسرے کے سامنے سخت سست نہ کہا جائے کہ اس سے عزت نفس مجروح ہوتی اور زوجین کے مابین قائم وقار کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

۴ ۔ طلاق کے اسباب میں سے چوتھا بڑا سبب جہالت ہے۔ لوگ دینی مسائل سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے شرعی احکامات سے جاہل رہتے ہیں اور وہ اپنی جہالت کی بنا پر لفظ "طلاق" کا استعمال کر گزرتے ہیں۔ پھر انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اگر بالفرض طلاق کی نوبت آ ہی گئی ہے تو طلاق کس طرح اور کب دی جائے۔ کوئی بھی شخص طلاق دیتے وقت یہ خیال نہیں کرتا کہ اس کی بیوی کن ایام سے گزر رہی ہے۔ الا ماشاء اللہ شاید چند فیصد لوگ ہی یہ بات جانتے ہوں گے کہ طلاق ایام حیض میں نہیں بلکہ ایام پاکیزگی (طہر) میں دی جانی چاہئے۔ پھر تعلق زوجیت کو منقطع کرنا اگر اتنا ہی ناگزیر ہو گیا ہے تو یکبارگی تین طلاق دے ڈالنا خود اپنے اوپر اور اپنی بیوی پر ظلم کے مترادف ہے۔ ایسے حالات میں صبر سے کام لینا ضروری ہے اور ناگفتہ بہ حالات میں جب طلاق کے سوا چارہ نہ رہا ہو تو ایک طہر میں ایک طلاق دی جانی چاہئے تاکہ رجوع کا دروازہ کھلا اور Option (آپشن) باقی رہے۔ ممکن ہے اس ایک طلاق کے بعد ہی زوجین میں سے قصوروار فریق کو اپنے قصور کا ادراک ہو جائے اور وہ واپسی کا راستہ اختیار کر سکے۔ یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ پاکیزگی کے ایام میں بھی اس وقت طلاق دینا چاہئے جب ابھی ازدواجی رابطہ (جماع) نہ ہوا ہو اور جس طہر یا جن ایام پاکیزگی میں میاں بیوی جماع کر چکے ہوں ان میں طلاق نہ دی جائے بلکہ اس کے بعد ایام حیض گزرنے دیئے جائیں اور جب نیا طہر (ایام پاکیزگی) شروع ہو تب

طلاق دی جائے۔

زوجین کے درمیان کسی شکر رنجی کی صورت میں والدین اور اقارب کا فرض ہے کہ وہ جلد از جلد دونوں کے مابین صلح جوئی کی کوشش کریں اور معاملہ بگڑنے سے قبل ہی اپنا کردار ادا کر کے ایک مشکل مرحلہ سے خود کو اور اپنے بچوں کو بچائیں۔

غصہ کی صورت میں بھی عزیز و اقارب کا فرض ہے کہ وہ کسی ایک کے طرفدار بن کر مسئلہ کو مزید الجھانے کی بجائے عارضی طور پر دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کر کے ان کا غصہ فرو کریں اور انہیں اس حدیث رسولؐ پر عمل کروائیں جس میں آپؐ نے فرمایا کہ "جس کسی کو غصہ آ جائے اسے چاہئے کہ وضو کرلے اور اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے' بیٹھا ہے تو لیٹ جائے"۔

انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ طلاق کے بہت سے معاملات میں سبب بہت معمولی ہوتا ہے مثلاً کسی خاص تقریب میں شرکت سے منع کرنے پر جھگڑا اور نوبت طلاق' کسی عزیز یا عزیزہ کی شادی میں مخصوص لباس نہ خریدنے یا حسب خواہش تحائف نہ لے جانے پر جھگڑا اور طلاق' کبھی گھر میں کسی کے آنے جانے پر پابندی میں اختلاف پر جھگڑا اور طلاق' کبھی محض شک کی بناء پر کہ میاں یا بیوی کسی اور کو چاہنے لگے ہیں جھگڑا اور طلاق۔

اسلام نے ازدواجی معاملات میں پیدا ہونے والی مشکلات کا واحد حل طلاق تجویز نہیں کیا بلکہ اس کے متعدد مراحل بیان کئے ہیں۔ سب سے پہلا مرحلہ سمجھانے بجھانے کا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالّٰتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ﴾ یعنی "جن خواتین سے تمہیں (حدود تعلق زوجیت پار کرکے) سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں نصیحت کرو (سمجھاؤ بجھاؤ)"۔

دوسرا مرحلہ بستر الگ کرنے کا ہے کہ اگر نصیحت کارگر ثابت نہ ہو تو ان کے بستر الگ کر دو' جسے قرآن کریم نے ﴿وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ﴾ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی "ان کو اپنے بستروں سے الگ کر دو"۔ پھر اگر یہ ترکیب بھی کارگر ثابت نہ ہو تو پھر تیسرا مرحلہ زبانی کی بجائے عملی سرزنش کا ہے یعنی ہلکا پھلکا مارنا' جسے قرآن کریم نے ﴿وَاضْرِبُوهُنَّ﴾ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی "انہیں مارو"۔

چوتھا مرحلہ اس وقت آتا ہے جب سابق تینوں مرحلوں سے معاملہ آگے بڑھ گیا ہو اور صورت حال بے قابو (out of control) ہو رہی ہو۔ اس مرحلہ میں دونوں جانب کے اعزہ کو جمع کیا جائے گا' خصوصاً بڑوں بزرگوں کو' تاکہ وہ مل بیٹھ کر تصفیہ کرا دیں۔ اسے قرآن کریم نے ان الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ ﴿فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ یعنی "دونوں کے اہل خانہ میں سے حکم (فیصلہ کرنے والے ثالث) مقرر کرلئے جائیں جو دونوں کے بیان حاصل کر کے صلح کی کوشش کریں"۔

پانچواں مرحلہ "ایلاء" کا ہے اور ایلاء کے معنی طلاق کے بغیر مرد اپنی زوجہ سے رشتہ ازدواج منقطع کرلے۔ اس میں اسے اختیار ہے کہ حسب ضرورت خود مدت مقرر کرلے۔ ایک ماہ' دو ماہ' تین ماہ' مگر یہ بائیکاٹ یا انقطاع تعلق چار ماہ سے زیادہ کا نہ ہو۔

آخری مرحلہ "طلاق" کا ہے اور وہ بھی اس طرح جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا۔ یعنی ایک طہر میں ایک طلاق نہ کہ یکبارگی تین طلاقیں۔

طلاق کے اسباب میں سے ایک سبب اور بھی ہے اور وہ ایسا سبب ہے کہ جس میں نہ تو کوئی شرعی مجبوری ہوتی ہے اور نہ ہی اخلاقی۔ بس صرف اس لئے طلاق دی جاتی یا دلوائی جاتی ہے کہ نکاح بٹے سٹے کا تھا۔ اب چونکہ ایک جوڑے کا آپس میں نباہ نہیں ہو سکا اور ان کے درمیان طلاق تک نوبت پہنچ کر معاملہ ختم ہو گیا لہٰذا اب دوسرے جوڑے سے بھی مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ بھی اپنا ازدواجی رشتہ ختم کرلیں اگرچہ وہ کتنے ہی پرسکون اور پرکیف ازدواجی تعلقات و ایام زندگی گزار رہے ہوں۔ مثلاً زید کی شادی عمرو کی بہن سلمہ سے اور عمرو کی شادی زید کی بہن آمنہ سے ہوئی۔ اب اگر کسی وجہ سے زید نے عمرو کی بہن سلمہ کو طلاق دے دی ہے تو عمرو کے گھر والے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ عمرو بھی لازمی طور پر آمنہ کو فارغ خطی دے دے کیونکہ زید نے سلمہ کو طلاق دے دی ہے۔ باوجودیکہ عمرو اور آمنہ خوشگوار زندگی بسر کر رہے ہیں مگر معاشرتی جبر کا شکار ہو کر وہ اپنا گھر اجاڑنے پر مجبور ہیں۔ اس قسم کی طلاق کا مطالبہ کرنے والے کس قدر گناہ کے مرتکب ہوتے ہوں گے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے کیونکہ یہ سراسر ظلم اور زیادتی ہے۔

ہمارے معاشرہ میں ایک اور برائی مطلقہ کے بارے میں طے شدہ فارمولا ہے اور وہ فارمولا یہ ہے کہ "اگر اتنی ہی اچھی ہوتی تو طلاق کیوں پاتی"۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اس طلاق میں قصوروار کون رہا ہو گا؟ اسباب کیا رہے ہوں گے؟ بس ایک ہی بات طے شدہ ہے کہ لڑکی ہی میں کوئی خرابی ہو گی۔ ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ لڑکا جنسی طور پر نااہل نکلا ہو یا نشہ کا عادی ہو' یا اس کی مرضی کے بغیر والدین نے شادی کر دی ہو اور اس نے اس لئے طلاق دے ڈالی ہو' یا جس قسم کی بیوی کا تصور اس نے اپنے ذہن میں بٹھا رکھا تھا وہ اس کے برعکس ثابت ہوئی ہو اور اس کے خوابوں کی ملکہ کوئی اور ہو۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ لڑکے نے اس شریف لڑکی سے کسی غیر اخلاقی غیر شرعی امر کا تقاضا کیا ہو اور لڑکی نے بے غیرت بننے پر طلاق حاصل کرنے کو ترجیح دی ہو۔ کیا ہمارے معاشرہ میں ایسے واقعات نہیں ہوتے کہ لڑکا اپنی بیوی سے بے پردہ اپنے یاروں دوستوں میں گھل مل جانے کا تقاضا کرتا ہو اور وہ کسی ایسے شریف خاندان کی ہو جہاں غیر مردوں نے کبھی قدم رکھنے کی جرات نہ کی ہو۔ کیا اس معاشرہ میں اس قسم کے واقعات نہیں ہوتے کہ ایک لڑکی اپنے گھر میں سخت پردہ کا اہتمام کرتی تھی مگر میاں کے گھر آ کر اس سے یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ وہاں کے لوگوں اور اس خاندان والوں کے رواج کا احترام کرتے ہوئے برقعہ اور چادر اتار پھینکے؟

جہاں اس قدر افراط و تفریط ہو وہاں صرف لڑکی کو مورد الزام ٹھہرانا اور اس کے بارے میں یہ طے کر لینا کہ یہی قصوروار رہی ہو گی کہاں کا انصاف ہے؟ خدارا حقائق کی دنیا میں آیئے اور اپنے معیارات تبدیل کیجئے۔ مفروضات پر نتائج کی عمارت کھڑی کرنے کی بجائے معاشرتی بے راہ روی کو پیش نظر رکھتے ہوئے واقعات کا تجزیہ کیجئے۔

مطلقہ (طلاق یافتہ) لڑکیوں کے بارے میں ہمارے معاشرہ میں جس قدر تنگ نظری اور بدگمانی پائی جاتی ہے اس کا تدارک اس لئے بھی ضروری ہے کہ اسلام کے سنہری اصولوں کو اپنانے' پھیلانے اور عام کرنے کا عمل زندگی کے ہر شعبہ میں جاری ہو۔ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقہ عورتوں سے نکاح نہیں کئے؟ خود آپ ؐ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا جنہیں ان کے پہلے شوہر حضرت زید ؓ نے طلاق

دی تھی۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی حضورؐ کی وہ زوجہ محترمہ ہیں جو پہلے مسافع بن صفوان کے عقد میں رہ چکی تھیں اور غزوہ مریسیع کے موقع پر اسیر ہو کر مدینہ آئی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں فرمائی۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے قبل مسعود بن عمرو بن عمری ثقفی سے علیحدگی اختیار کر کے ابو رہم بن عبد العزی کے نکاح میں آئیں اور ابو رہم کے انتقال کے بعد حضورؐ نے ان سے نکاح کیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح سلام بن مشکم القرظی سے ہوا تھا' وہاں سے طلاق ہوئی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں' کنانہ کے غزوۂ خیبر میں مارے جانے کے بعد حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ ان ازدواج مطہراتؓ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایسے گمان کا اظہار نہیں فرمایا جس سے ان کے مطلقہ ہونے کو مطعون کیا جا سکے۔ مگر اس کا کیا جائے کہ ہم مسلمان ہو کر بھی نبی اکرم ﷺ کی پیروی نہیں کرتے اور اپنی روش ترک کرنے پر سنجیدگی سے نہیں سوچتے بلکہ مطلقہ کو ہی مطعون ٹھہراتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ طلاق کے معاملات میں انتہائی صبر و احتیاط سے کام لیا جائے۔ طلاق کے اسباب کے ازالہ کی ہر سطح پر کوشش کی جائے۔ نئے شادی شدہ جوڑوں کو ایک دوسرے کے حقوق و فرائض سمجھائے جائیں۔ سسرال والے بہوؤں کو اپنی بیٹیوں کی طرح ہی سمجھیں اور ان کے ساتھ وہی سلوک کریں جو وہ اپنی بیٹی کے ساتھ سسرال والوں کے ہاں ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں اور شوہر اور ان کے اہل خانہ زوجہ و بہو سے اس قسم کی خدمات کی توقع نہ کریں جنہیں وہ اپنی بچیوں کے لئے ناگوار خیال کرتے ہوں۔ مطلقہ عورتوں کو ہر صورت میں قصوروار گردانے اور انہیں مطعون کرنے کی بجائے ٹھنڈے دل سے ان شکستہ دلوں کے معاملات کا جائزہ لیں اور انہیں نفسیاتی مریض بننے سے بچائیں۔

بچوں اور بچیوں کو شادی سے قبل و بعد نکاح و طلاق کے مسائل لازمی طور پر سکھائے اور پڑھائے جائیں۔ چھوٹی عمر سے ہی بچوں میں دینی رجحان پیدا کرنے کی کوشش کریں اور گھر کا ماحول مصنوعی اور رومانٹک بنانے کی بجائے قدرتی اور حقیقی بنائیں تاکہ

بچوں میں فطری اسلامی جذبہ بیدار ہو اور اسلامی اصولوں سے آشنائی و روشناسی کی طلب پیدا ہو۔

اسلامی اقدار کی پاسداری بہت سے دکھی گھرانوں کو سکون و راحت کی وہ دولت مہیا کر سکتی ہے جس کی تلاش میں لوگ فلموں' ڈراموں' منشیات اور دیگر منفی سرگرمیوں میں اپنا وقت' مال اور آبرو برباد کرتے ہیں۔

بقیہ : فکرِ عجم

جنگِ صفین اور مسلح تصادم اور کشت و خون تک جا پہنچی تھی مگر یہ مثال کہیں نہیں ملتی کہ ایک فریق دوسرے کی اعلانیہ تکفیر کرتا ہو۔ اس موضوع کو سیاسی اہمیت ہی حاصل رہی ہے۔

○ ائمہ کرامؒ اور دیگر بزرگ ہستیوں کی قبور کو زیارت گاہ بنا دیا گیا مگر بدعات اور خرافات اس قدر نظر نہیں آئیں جس قدر برصغیر میں قبورِ اولیاء پر معمول ہیں۔ سعودی عرب میں انہدامِ قبور پر بھی ناگواری کا اظہار کیا جاتا ہے اور جنت البقیع کے ایسے نقشے ان اصحاب کے پاس ہوتے ہیں جن سے اہل بیت کی بزرگ ہستیوں کی قبور کی نشاندہی ہوتی ہے۔

ضرورت رشتہ

کراچی میں مقیم دو دوشیزاؤں (پنجابی - ارائیں) عمریں ۲۸ سال اور ۳۰ سال' تعلیم بالترتیب MSc اور BSc دینی مزاج' پابند صوم و صلوٰۃ کے لئے برسرروزگار دینی مزاج کے حامل تعلیم یافتہ رشتے درکار ہیں۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔

برائے رابطہ : فدا حسین' رفیق تنظیم اسلامی فون : 6664883 (042)

چوہدری محمد یعقوب "K"53/119 ایریا کورنگی' کراچی-31 فون : 5043103 (021)

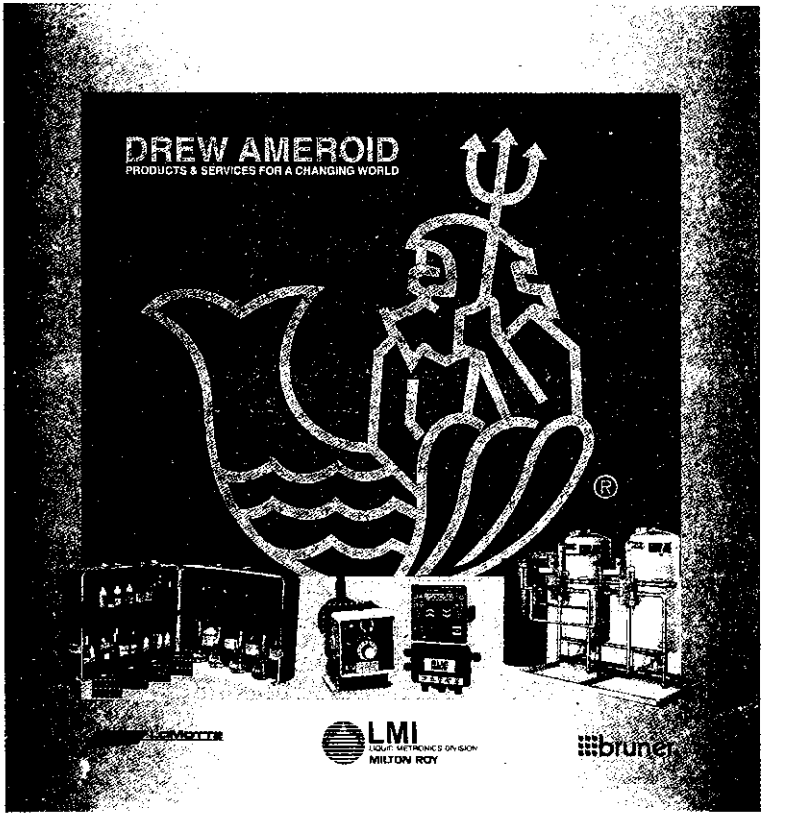

ORIENT WATER SERVICES (PVT) LTD.
THE INDUSTRIAL WATER TREATMENT COMPANY

KARACHI
Tel: 453-3527 453-9535
Fax: 454-9524

LAHORE
Tel: 712-3553 722-5860
Fax: 722-7938

ISLAMABAD
Tel: 273168 277113
Fax: 275133

FAISALABAD
Tel: 634626
Fax: 634922

خیر اُمت کا سب سے بڑا وصف

اور

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ

مولانا محمد شہاب الدین ندوی، بنگلور (انڈیا)

ملت اسلامیہ کی تشکیل نو اور تعمیر جدید اس وقت زندگی اور موت کا مسئلہ بنا ہوا ہے اور اس سے بھی زیادہ اہم تر اصلاح عالم کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا اب ہم کو "کرو یا مرو" (do or die) کے مطابق یا تو کچھ کر کے دکھانا ہے یا پھر کسی دوسری قوم کے لئے راستہ خالی کر دینا ہے ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ﴾ گویا ہم میدان خلافت سے فرار چاہتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہم اس کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں گے۔ اور ہمارا یہ منصب نہیں ہے کہ ہم اس قدر سہل انگاری سے کام لیتے ہوئے دین کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیں اور اس کے فرائض کی ادائیگی سے غافل ہو جائیں۔ یہ گویا ہماری ملی موت کے مترادف تو ہو گا ہی مگر خدا کے نزدیک بھی ہمارا یہ فعل ناقابل معافی جرم ہو گا۔ لہٰذا دین و عقل کا تقاضا ہے کہ ہم زندہ اور بہادر قوموں کی طرح اس میدان میں آگے بڑھیں۔ خلافت ارض کوئی کھیل تماشا نہیں ہے، اِس میں بہت سے خطرات ہیں اور بہت سی ذمہ داریاں ہیں۔ مگر یہ ایسا معاملہ ہے کہ اِس میں ذرا بھی غفلت نہیں برتی جا سکتی۔ اقوام عالم میں اِس وقت اُمت مسلمہ ہی وہ واحد ملت ہے جو خلافت ارض کی حامل ہے۔ لہٰذا وہی موجودہ گھٹاٹوپ تاریکیوں میں امید اور روشنی کی کرن دکھائی پڑتی ہے اور اس کی تشکیل نو اور تنظیم نو پر اقوام عالم کی صلاح و فلاح کا مدار ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر، واولئک هم المفلحون ○ ﴾

(آل عمران : ۱۰۴)

"اور تم میں ایک ایسی جماعت (ضرور) ہونی چاہئے جو (لوگوں کو) خیر کی طرف بلائے اور (انہیں) معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے۔ اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے"۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے :

﴿ كنتم خير امة اخرجت للناس و تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر.... ﴾ (آل عمران : ۱۱۰)

"تم بہترین امت ہو جو عام لوگوں کے لئے برپا کی گئی ہے۔ (تمہارا منصب یہ ہے کہ) تم انہیں معروف کا حکم کرتے رہو اور منکر سے روکتے رہو...."

ان دونوں آیتوں کا مفہوم الگ الگ ہے۔ پہلی آیت ملت اسلامیہ کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ دوسری آیت پوری نوع انسانی سے متعلق ہے۔ اس لحاظ سے پہلی آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ تم میں سے ایک ایسی جماعت ضرور ہونی چاہئے جو ہر قسم کے دینی و شرعی معاملات میں تمہاری رہنمائی کرے۔ (حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ : "خیر سے مراد اتباع قرآن و سنت ہے"۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۹۰) اور تمہارے ملی و اجتماعی مسائل حل کرے۔ اس مخصوص جماعت کی حیثیت پوری ملت اسلامیہ کے درمیان ایک نگران اعلیٰ اور شاہد کی سی ہوگی جیسا کہ "ولتكن منكم" کے الفاظ تقاضا کر رہے ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ اس کا عقلی و منطقی تقاضا ہے کہ ایسی جماعت کو دینی و دنیوی تمام مسائل پر عبور ہونا چاہئے تاکہ وہ ملت کی صحیح رہنمائی کر سکے۔

دوسری آیت کریمہ کا تعلق خصوصیت کے ساتھ نوع انسانی سے ہے جیسا کہ اس کے الفاظ اور اس کے سیاق و سباق سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت پہلے ہی یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ عالم انسانی کا "خیر" صرف دنیائے اسلام ہی سے وابستہ ہو سکتا ہے اور وہی امت خیر ہونے کی حیثیت سے نوع انسانی کی صلاح و فلاح کی ذمہ دار ہے کہ دعوت و تبلیغ کے صحیح اصولوں سے کام لے کر اور ہر ممکن طریقے اپنا کر یہ فریضہ بحسن و خوبی انجام دے۔ جیسا کہ ایک دوسری جگہ مذکور ہے :

﴿ ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة

وجادلهم بالتی هی احسن ...﴾ (النحل : ۱۲۵)

"اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت و دانائی اور اچھی نصیحت کے ذریعے بلاؤ اور ان کے ساتھ بہترین طریقے سے مباحثہ کرو"۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی امت مسلمہ کی دائمی صفت ہو گی۔ یہ کوئی وقتی اور موقت فریضہ نہیں ہے جیسا کہ "یامرون" اور "ینھون" کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں۔ یہاں پر یہ نہیں کہا جارہا کہ تم یہ کام کرو' بلکہ یہ کہا جارہا ہے کہ "خیر امت" ہونے کی صفت ہی یہ ہے کہ وہ یہ سب کام کرتی رہتی ہے۔ لہٰذا آج ہم پر جو بھی بلائیں اور مصیبتیں نازل ہوئی ہیں وہ اپنے اس وصف اور فریضے کو ترک کرنے کی بدولت ہیں۔

معروف کے لغوی معنی ہیں "جانا پہچانا" اور منکر کے لغوی معنی ہیں "غیر جانا پہچانا"۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

"معروف ہر وہ فعل ہے جس کو عقل یا شرع بہتر سمجھیں اور منکر وہ ہے جس کو یہ دونوں برا جانیں۔" (المفردات فی غریب القرآن' ص ۳۳۱)

مفسرین کی تصریح کے مطابق معروف میں وہ تمام احکام آجاتے ہیں جن کے کرنے کا اللہ نے حکم دے رکھا ہے اور منکر میں وہ تمام "منہیات" داخل ہو جاتے ہیں جن سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس طرح معروف و منکر میں پورا دین اور پوری شریعت آجاتی ہے۔ اور تمدنی و اجتماعی امور و معاملات بھی دین و شریعت سے الگ نہیں ہیں بلکہ انہی کے ضمیمے اور لاحقے ہیں جو دین و شریعت کے دائرے ہیں اور ان ہی کی حفاظت کی خاطر ہیں۔ اس طرح اسلام میں ہر چیز کے حدود و ضوابط واضح ہیں اور ہر چیز کا ایک مخصوص مقام ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پورے دین اسلام کی روح معروف اور منکر میں سمیٹ دی گئی ہے اور سارا دین ان ہی دو امور کے گرد گھومتا نظر آرہا ہے۔ جس نے معروف اور منکر کی صحیح حقیقت کو سمجھ لیا اس نے گویا کہ دین الٰہی کے رمز کو پالیا۔ ہماری پوری زندگی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی معروف کے مطابق ڈھلتے رہنا چاہئے اور اس میں خیر کا پہلو نمایاں ہونا چاہئے۔ اس میں دین و شریعت' تہذیب و ثقافت اور تمدن و اجتماع سب کچھ آجاتے ہیں۔

اور جو تمدن معروف کے دائرے سے ہٹ کر منکر کے حدود میں داخل ہو جائے تو وہ مضر اور نقصان دہ ہو گا اور اس کا روکا جانا ضروری ہو گا۔ جصاص رازی فرماتے ہیں : "دنیا میں جتنے بھی فتنے' فسادات اور شرور و آفات پیدا ہوتے ہیں وہ سب منکر ہی کے باعث ہوتے ہیں"۔ (احکام القرآن ج ۲' ص ۳۴)

موجودہ دور میں معروف و منکر کی صحیح ادائیگی ہی کے باعث اسلامی اور انسانی معاشروں کی اصلاح عمل میں آسکتی ہے اور اس سلسلے میں حکمت و دانش اور دعوت و تبلیغ کے تمام اصولوں کو کام میں لانا اور انسانی نفسیات کے مطابق ترغیب و ترہیب (رغبت و خوف دلانے) کے تمام طریقوں کو آزمانا ضروری ہے۔ قرآن اور حدیث کے مطالعے سے یہ حقیقت ہم پر بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی نفسیات کے مطابق دین و شریعت میں ترغیب و ترہیب یا انذار و تبشیر کے دونوں طریقوں سے خوب کام لیا گیا ہے۔ لہٰذا ہمارے لئے بھی ضروری ہے کہ ہم دعوت و تبلیغ کی راہ میں ان اصولوں کو راہنما بنائیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو "معروف" جو کہ اوامر دین کا مجموعہ ہے' پورے کا پورا ترغیب ہے اور "منکر" جو کہ نواہی کے مجموعے کا نام ہے' پورے کا پورا ترہیب ہے۔ اس طرح پورا دین و شریعت اور اس کا سارا تمدن و اجتماع ایک حیثیت سے معروف و منکر کے گرد گھوم رہا ہے تو دوسری حیثیت سے وہ ترغیب و ترہیب کے گرد گردش کر رہا ہے۔

جو حال موجودہ ترقی یافتہ قوموں کا آج ہے وہی حال قرون وسطیٰ میں مسلمانوں کا بھی رہ چکا ہے جب کہ اہل اسلام اپنے باطن کے ساتھ ساتھ ظاہری حیثیت سے بھی ممتاز تھے تو اس وقت دوسری قومیں ان کے اقوال کو سند کا درجہ دیتی تھیں۔ اور ان کے اقوال سے استدلال کرنے میں فخر محسوس کرتی تھیں۔ یہ مقام جب تک پھر دوبارہ پیدا نہیں ہوتا امت مسلمہ صحیح معنوں میں کوئی معزز مقام حاصل نہیں کر سکتی۔ "تنہون" کے لغوی مفہوم اور اس کے تقاضے پر غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ "روکنا یا باز رکھنا' محض باتوں اور زبانی جمع خرچ ہی کا نہیں بلکہ حسب ضرورت کچھ زور اور قوت کا بھی مقتضی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں اس آیت کریمہ کی تشریح و تفصیل اس طرح ملتی ہے :

((من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ' فان لم یستطع فبلسانہ'

فان لم یستطع فبقلبه ' وذلک اضعف الایمان))

"تم میں سے جو کوئی کسی بری بات کو دیکھے تو چاہئے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اگر اس کو اس کی طاقت نہ ہو تو پھر (کم از کم) زبان ہی سے اس فعل کی مذمت کرے اور اگر (مخالفانہ ماحول کی وجہ سے) اس کی طاقت بھی نہ ہو تو پھر دل میں اس چیز کو برا جانے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے"۔

(صحیح مسلم' کتاب الایمان)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کا کامل ترین درجہ یا کمال ایمان امر اول کی ادائیگی میں ہے اور یہ ہر مسلمان کا آئیڈیل (ideal) ہونا چاہئے کہ معاشرے میں اس کی حیثیت ایک سپاہی یا خدائی فوجدار کی سی ہو۔

"نہی عن المنکر" کا تعلق خصوصیت کے ساتھ "ظلم" سے ہے۔ (جیسا کہ مختلف حدیثوں کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے) یعنی جہاں کہیں کوئی ظلم و زیادتی ہو رہی ہو تو ضروری ہو جاتا ہے کہ حتی المقدور اس کو مٹانے کی کوشش کی جائے۔ ورنہ دنیا میں کوئی تمدن' کوئی عمران' کوئی اجتماع پنپ نہیں سکتا اور یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکتی۔ اگرچہ وہ بظاہر کتنا ہی خوشنما اور پائیدار کیوں نہ نظر آ رہا ہو"۔ "سنت الٰہی" کے مطابق جب عذاب الٰہی کا کوئی جھونکا آتا ہے تو پھر پائیدار سے پائیدار تمدن و عمران کی جڑیں اکھڑ جاتی ہیں اور اس کے تنکے بکھر جاتے ہیں اور ایسے موقع پر کسی عظیم سے عظیم تر تمدن کی حیثیت بھی شاخ نازک پر ایک آشیانے سے زیادہ نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں تاکید کی گئی ہے کہ سوسائٹی میں ظلم و عدوان کو ہر حال میں روکا جائے اور ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اس فعل سے باز رکھا جائے۔ ورنہ مسلسل ظلم و زیادتیوں کی بنا پر جب پاپ کا گھڑا بھر جائے گا تو اس کے نتیجے میں جو عمومی تباہی آئے گی اس کی لپیٹ میں اچھے برے سب ہی آ جائیں گے۔ اور کوئی بھی باقی نہیں بچے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی زمین میں ظلم و عدوان سخت ناپسند ہے اور وہ کسی بھی طرح ظلم کو اپنے بندوں کے حق میں پسند نہیں کرتا:

﴿ وما اللّٰه یرید ظلمًا للعباد ﴾ (المومن : ۳۱)

"اور اللہ بندوں کے لئے کسی طرح کا ظلم پسند نہیں کرتا"۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"ظلم سے بچو' کیونکہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں (کا باعث) ہو گا اور حریصانہ بخل (شُح) سے بچو۔ یہی حریصانہ بخل یعنی خود غرضی تم سے پہلے والوں کو بھی ہلاک کر چکی ہے۔ جس نے ان کو لوگوں کے قتل و خون ریزی پر ابھارا تو انہوں نے لوگوں کی عزت و آبرو سے کھیلا"۔

(مسلم' باب تحریم الظلم' مطبوعہ ریاض)

ایک اور حدیث پاک ہے :

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یا تو تم معروف کا حکم کرتے رہو گے اور منکر سے روکتے رہو گے یا پھر قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی عذاب مسلط کر دے پھر تم دعا کرو گے تو تمہاری دعائیں قبول نہیں کی جائیں گی"۔

(ترمذی' باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر)

ایک اور حدیث میں ہے :

"جب لوگ کسی ظالم کو دیکھیں مگر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے اللہ سب کو کسی عذاب میں مبتلا کر دے"۔ (ابو داود' باب الامر والنھی)

یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جہاد کی اصل غرض و غایت اور اس کی اسپرٹ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب "معروف" کا وجود خطرے میں پڑ جائے اور "منکرات" کا ظہور اور ان کا دور دورہ ہو جائے تو پھر جہاد فرض و واجب ہو جاتا ہے اور ایسے مواقع پر جہاد نہ کرنا عند اللہ جرم اور گناہ کی بات متصور ہو گی۔ جہاد فرق مراتب کے اعتبار سے ہر مسلمان پر فرض ہے جیسے جہاد بالقلب' جہاد باللسان' جہاد بالمال وغیرہ۔ اور جہاد بالسیف کا نمبر تو سب سے آخر میں آتا ہے۔ لہٰذا منکرات و فواحش کی روک تھام حسب استطاعت ہر مسلمان کے ذمہ ضروری ہے اور اس کے لئے ہم کو سربکف ہو جانا چاہئے۔ اسی مقصد کے لئے انبیائے کرام کی بعثت ہوئی تھی اور یہی دین اسلام کا خلاصہ اور جوہر ہے۔

بقیہ : عرض احوال

یہ کہ میرے نام کے ساتھ "مدظلہ" جڑ دیا' جو اصلاً آپ کے نام کے ساتھ ہونا چاہئے تھا۔ بنابریں میں محجوب ہو گیا۔) تاہم "ندائے خلافت" ہی میں آپ کی ایک گفتگو کا حوالہ میرے لئے حوصلہ افزا ثابت ہوا۔ چنانچہ اس عریضے کی تحریر کی "جرأت" میں بھی اس کو کسی قدر دخل حاصل ہے!

دعا کا طالب

اسرار احمد عفی عنہ

☆ ☆ ☆

۳۶۔ کے 'ماڈل ٹاؤن' لاہور

۱۹/ نومبر ۱۹۹۵ء

مخدومی مولانا! دام ظلکم!!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

اب سے لگ بھگ تین ہفتے قبل شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کی معیت میں آپ کی خدمت میں حاضری ہوئی تھی تو ہم دونوں نے محسوس کیا تھا کہ آپ پر (کم از کم اس وقت) نقاہت کا شدید اثر ہے' بنابریں گفتگو کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی لئے ہم تو تھوڑی دیر بیٹھ کر اور آپ کی مزاج پرسی ہی پر اکتفا کرتے ہوئے واپسی کے لئے اٹھنے لگے تھے' لیکن اچانک آپ نے سوال کر لیا کہ "آپ لوگوں کے آنے کا مقصد کیا تھا؟" لیکن چونکہ اُس وقت میں ایک دوسری مصروفیت کے باعث مزید زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا تھا لہٰذا میں نے سکوت ہی مناسب سمجھا۔ خیال تھا کہ چونکہ اس وقت بھی آپ سے برادرم نعمان صاحب تحریراً ہی گفتگو کر رہے تھے' لہٰذا میں بھی آپ کے سوال کا جواب تحریراً ہی ارسال کر دوں گا۔ تاہم اس میں مصروفیات کے باعث تاخیر ہو گئی۔

اب گزارش ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضری کا اہم ترین سبب تو آپ سے نیاز مندی اور احسان مندی کا اظہار ہے جسے میں جاری رکھنا چاہتا ہوں اور ع "خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو!" کے مصداق حاضری دیتے رہنا چاہتا

ہوں' الا یہ کہ آپ گرانی محسوس کریں! اگر خدانخواستہ ایسا ہو تو آپ برادرم نعمان صاحب کے ذریعے مطلع فرما دیں!

ویسے اُس روز میں اپنی ان گزارشات کا جواب بھی چاہتا تھا جو میں نے اپنے گزشتہ عریضے کے ذریعے پیش خدمت کی تھیں۔ بعد میں مجھے ان کا جواب برادرم نعمان صاحب سے مل گیا ـــــ یعنی یہ کہ (i) آپ "رجم" کے بارے میں اپنی رائے پر جازم ہیں' اور (ii) اسی طرح "دعوت دین اور اِس کا طریق کار" میں درج جملہ نظریات و آراء پر بھی قائم ہیں ـــــ پہلی بات کے ضمن میں تو ع "اِک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے!" کے مصداق آپ سے بھی گزارش ہے کہ نظرثانی فرمائیں اور اللہ سے بھی دعا ہے کہ آپ کے ذہن اور قلب کو پھیر دے' تاہم آئندہ آپ سے تو دوبارہ کچھ عرض نہیں کروں گا ـــــ البتہ اللہ تعالیٰ سے دعا جاری رہے گی ـــــ رہی دوسری بات تو اس پر خوشی بھی ہوئی اور اللہ کا شکر بھی ادا کیا۔ اتنی سی "خواہش" مزید ہے کہ اِس بات کو برادرم نعمان صاحب کو املا کرا دیں تو بہت ممنون ہوں گا۔

باقی آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ "آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟" تو میں اسے آنحضور ﷺ کے ان الفاظ مبارکہ پر محمول کرتے ہوئے جو آپؐ نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمائے تھے کہ : "اِنْ شِئْتَ حَدَّثْتُكَ يَا مَعَاذ بِرَأْسِ هٰذَا الامرِ وَذروةِ السَّنامِ مِنْه" عرض کرتا ہوں کہ اگرچہ مجھے یہ اندازہ نہیں ہے کہ میرے موجودہ کاموں اور خیالات سے آپ کس حد تک آگاہ ہیں اور پچھلی باتیں بھی کتنی یاد رہ گئی ہیں' تاہم جو بھی معلومات آپ کے ذہن میں ہوں ان کی بنا پر جو "نصائح" بھی للہ و فی اللہ آپ مجھے کرنا چاہیں برادرم نعمان صاحب کو اِملا کرا دیں۔ میں بہت ممنون اور مشکور ہوں گا اور ان سے حتی الامکان استفادے کی کوشش کروں گا۔ فقط والسلام

دُعا کا طالب

اسرار احمد عفی عنہ

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS

NTN BEARINGS

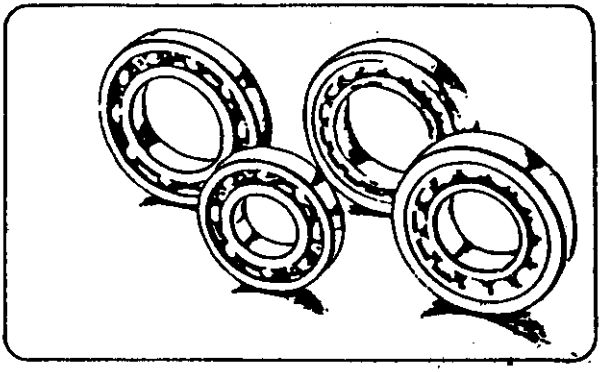

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 84 A-85, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. CPL 125
Vol. 47 No. 3
March. 1998

FOTO SCAN PH;7234042-7111906